فہرست

اداریہ	ابتدا تیرے نام سے	صائمہ اسما	6
انوارِ ربانی	قرآن ایک معجزاتی کتاب	اسوہ بتول	8
قولِ نبیؐ	حیا سراسر خیر ہے	ڈاکٹر میمونہ حمزہ	14
خاص مضمون	سیدہ فاطمۃ الزہراؓ	افشاں نوید	20
نوائے شوق	کشمیر کی فریاد	عنایت علی خان	31
	خوشیوں کی گھڑی	فائقہ اویس	32
	غزل	آمنہ رمیصا	33
	حجاب میرا	ہاجرہ منصور	33
حقیقت و افسانہ	کرونا کالے رنگ کا	قانتہ رابعہ	34
	مدوا	حمیرا بنت فرید	36
	تلاش	بنت شیروانی	39
خفتگانِ خاک	سیلِ اشک	بنت الاسلام	41
آپ بیتی	جہاں زندگی کا راز پالیا	ڈاکٹر مریم فاروقی	48
ہلکا پھلکا	ذرا فاصلے سے ملا کرو	ڈاکٹر میمونہ حمزہ	52
مشاہدات	سعودی عرب میں رہنے کا تجربہ	ڈاکٹر فائقہ اویس	55
زندگی کا فن	باغبانی سے میں نے کیا سیکھا؟	فریدہ خالد	61
سروے	حجاب میری نظر میں	عالیہ شمیم	67
محشر خیال	پروفیسر خواجہ مسعود، خورشید بیگم، شہلا کرن، طاہرہ طلعت، روبینہ اعجاز		71
منتخب کالم	بلریا گنج سے جنت البقیع تک	عرفان صدیقی	78
گوشۂ تسنیم	شریکِ زندگی کا انتخاب	ڈاکٹر بشریٰ تسنیم	80

انوار ربانی

اسوہ بتول۔ القصیم

قرآن ایک معجزاتی کتاب

قرآن ایسی کتاب ہے جس کی خوبصورتی اور گہرائی کی کوئی مثال نہیں۔ اس کی وسعت کے آگے آسمان کی وسعت بھی ہیچ ہے۔ اس کی تاثیر سے سخت سے سخت دل بھی موم ہوجاتے ہیں اور خوفِ خدا سے لرز اٹھتے ہیں۔ قرآن کی مٹھاس اور تازگی کا اقرار خود مخالفینِ اسلام نے کیا ہے۔ قرآن تمام آسمانی کتابوں میں سب سے عزت اور شرف والی کتاب ہے۔ گزشتہ امتوں کے پیغمبروں کو دو چیزیں عطا کی گئیں۔ ایک معجزہ اور دوسری شریعت۔ لیکن حضرت محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے صرف قرآن مجید عطا کیا۔ جانتے ہیں کیوں؟ کیونکہ یہ قرآن ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مکمل شریعت بھی ہے اور معجزہ بھی۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی بیان کیا ہے، انہیں آیات کہتے ہیں اور آیات عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی نشانیاں یا معجزات ہیں۔ قرآن مجید میں سورتوں کی ترتیب، ان صورتوں میں آیات کی ترتیب اور ان آیات میں الفاظ کی ترتیب کسی معجزے سے کم نہیں۔ حضرت محمدؐ نے جب بھی یہ قرآن پڑھا تو اسے سننے والے دنگ رہ گئے، کیونکہ ایسا عمدہ کلام کسی انسان کا نہیں ہوسکتا تھا۔ کافر اس کے اثر سے بچنے کے لیے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے تھے اور شور مچانے لگتے تھے۔ ایک مرتبہ آپؐ نے جب حرم میں سورہ النجم کی آیات تلاوت کیں، تو آیتِ سجدہ پر آپ کے ساتھ ساتھ مسلم و کافر سب سجدے میں گر گئے۔ یہ تھا اللہ تعالیٰ کی آیات کا سحر جو اس زمانے کے کافر تو محسوس کر پاتے تھے لیکن ہم محسوس کرنے سے قاصر ہیں! پورے زمانے میں کوئی ایسی کتاب موجود نہیں ہے جو اتنے لمبے عرصے یعنی چودہ سو سال تک ویسی کی ویسی ہی محفوظ ہو اور اس میں زیر زبر کی بھی ترمیم نہ ہوئی ہو۔ کیا یہ قرآن مجید کا ایک عظیم معجزہ نہیں ہے؟ یہ اس لیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جتنی باتیں ارشاد فرمائیں وہ سب حق ہیں اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا:

''بے شک ہم نے ہی یہ قرآن نازل کیا اور بے شک ہم ہی اس کے محافظ ہیں''۔ (سورہ الحجر 9)

قرآن کا ایک معجزہ یہ بھی ہے کہ ہم تو اسے بدل نہیں سکتے لیکن یہ کتاب قوموں کی تقدیر بدل کر رکھ دیتی ہے۔ مسلمانوں کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے۔

آداب وفضائل تلاوت قرآن

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو'' (سورہ المزمل 4)

ایک اور جگہ فرمایا:

''اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے توجہ سے (کان لگا کر) سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے''۔ (سورہ الاعراف 204)

مندرجہ ذیل فرمودات نبویؐ ہیں:

''اپنی آواز کے ساتھ قرآن کو مزین کرو''۔ (سنن ابن ماجہ)

''جو اچھی آواز سے قرآن نہیں پڑھتا، وہ ہم میں سے نہیں ہے''۔ (صحیح بخاری اور صحیح مسلم)

''بلند آواز سے تلاوت کرنے والا، اس شخص جیسا ہے جو کھلم کھلا خیرات کرتا ہے''۔ (الترمذی)

''قرآن کی تلاوت کرنے والے کو اس کی تلاوت کرنے پر ہر حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں''۔ (الترمذی)

اور قیامت کے دن انسان تو ایک ایک نیکی کو ترسے گا ناں؟

''قرآن کو بکثرت تلاوت کرنے والا قابلِ رشک ہے''۔ (صحیح بخاری)

قابل رشک وہ نہیں جس کے پاس بہت مال و دولت ہو۔ قابل رشک وہ نہیں جو بہت خوبصورت ہو۔ قابل رشک وہ نہیں جس کے زیادہ

بیٹے ہوں۔ بلکہ قابل رشک وہ ہے جو قرآن کی بکثرت تلاوت کرے۔

''قرآن کی بکثرت تلاوت کرنے والا قیامت کے دن مقرب فرشتوں کی صف میں کھڑا ہوگا''۔(صحیح مسلم)

یعنی قرآن کی بکثرت تلاوت کرنے والا شخص انسانوں کی صف سے نکل کر فرشتوں کی صف میں اور فرشتوں میں بھی تقرب والے فرشتوں کی صف میں کھڑا ہو جائے گا۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ عمل کس قدر فضیلت کا باعث ہے۔

قرآن ایک رحمت

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

''اور ہم نے آپ پر ہر چیز کھول کر بیان کر دینے والی یہ کتاب نازل کی ہے جو مسلمانوں کے لیے ہدایت و رحمت اور خوشخبری ہے''۔ (سورہ النحل89)

مسلمان کا مطلب ہے فرمانبردار۔اب جو کوئی فرمانبردار ہے اسے قرآن میں اہل جنت کی صفات خود میں پا کر خوشی ملے گی۔اس کی خوبصورتی سے تلاوت کرنے سے اللہ کی رحمت ملے گی اور اس کی تعلیمات پر عمل کر کے اسے ہدایت ملے گی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''بے شک یہ قرآن وہ راہ بتاتا ہے جو سب سے سیدھی ہے اور مومنوں کو بشارت دیتا ہے جو نیک کام کرتے ہیں کہ یقیناً ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے''۔(سورہ بنی اسرائیل9)

قرآن مسلمانوں کے لیے اس دنیا میں بھی باعثِ رحمت ہے،قبر میں بھی رحمت ہے اور قرآن کی سورتیں روزِ محشر میں بھی رحمت بن کر آئیں گی۔دنیا میں یہ قرآن لوگوں کو جہالت کے اندھیروں سے ہدایت کی روشنی کی طرف لاتا ہے۔قبر میں یہ قرآن اندھیروں کی روشنی اور راحت بن کر آئے گا۔روز محشر یہی قرآن ہمارے لیے تب گھنے بادلوں کا سایہ بن کر آئے گا جب چہار سو کڑی دھوپ پھیلی ہوگی۔

قرآن کی برکات:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اور یہ ایک برکت والی کتاب ہے جو ہم نے نازل کی ہے، پس تم اسی کی پیروی کرو اور تقویٰ کی روش اختیار کرو بعید نہیں کہ تم پر رحم کیا جائے''۔(سورہ الانعام155)

آپؐ نے ارشاد فرمایا:

''تم میں سے بہترین وہ ہے جو قرآن سیکھے اور (دوسروں کو) سکھائے''۔(صحیح بخاری)

اس کا مطلب ہے جس بھی چیز کا تعلق قرآن سے ہو، وہ بہترین ہو جاتی ہے۔جس رات میں قرآن نازل ہوا،اس رات کی عبادت کو ہزار مہینوں کی عبادت پر فوقیت حاصل ہے۔جن دو شہروں مکہ اور مدینہ میں قرآن نازل ہوا، وہ معزز اور مبارک شہر ہیں۔اور جس ہستی پر قرآن نازل ہوا،وہ پورے زمانے کی بہترین ہستی ہے۔

''قرآن والے اللہ تعالیٰ کے اپنے اور اس کے منتخب لوگ ہیں''۔(سنن النسائی)

اس کا مطلب ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ بننے کے لیے قرآن کو سمجھنا،اس پر غور و فکر کرنا،اس پر عمل کرنا اور قرآن ہی کا ہو کر رہ جانے کی ضرورت ہے۔

''قرآن پڑھو، یہ قیامت کے دن اس پر عمل کرنے والے کے لیے سفارشی بن کر آئے گا''۔(صحیح مسلم)

قیامت کے روز جب کوئی ولی و مددگار نہ ہوگا اور نہ کوئی رشتہ دار کام آئے گا،تب قرآن ہی ہمارے لیے ذریعۂ نجات ہوگا۔

''جو شخص قرآن سیکھنے کے لیے گھر سے نکلتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دیتے ہیں''۔(صحیح مسلم)

ایک اور جگہ آپؐ نے فرمایا:

''قرآن کو پڑھنے اور پڑھانے والوں پر اللہ تعالیٰ سکینت نازل کرتے ہیں اور فرشتے قرآن والی محفلوں کو گھیر لیتے ہیں''۔(صحیح مسلم)

قرآن دلوں کی شفا:

اللہ تعالیٰ نے قرآن ایک جگہ فرمایا:''اے لوگو! یقیناً تمہارے

پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آ گئی ہے اور یہ شفا ہے ان بیماریوں کیلیے جو سینوں میں ہیں اور مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے''۔(سورہ یونس:57)

سینوں کی بیماری کیا ہے؟

سینوں کی بیماری یہ ہے کہ دلوں پر زنگ لگ جائے۔آپؐ نے فرمایا:''یہ دل زنگ آلود ہوتے ہیں جس طرح لوہا زنگ آلود ہو جاتا ہے۔پوچھا گیا دلوں کا زنگ کیسے دور ہوتا ہے؟ فرمایا تلاوت قرآن اور موت کو یاد کرنے سے''۔(رواہ البیہقی)

اگر قران ہمارے دلوں پر اثر نہیں کرتا،تو کہیں اس کی وجہ یہ تو نہیں کہ ہماری دلچسپی قرآن کی نسبت باقی چیزوں سے زیادہ ہے؟

قرآن کی آیات پر تدبر

جو چیز بھی ہمارے لیے بہت اہمیت رکھتی ہے وہ ہر وقت ہمارے دل و دماغ پر چھائی رہتی ہے۔کیا ہم نے کبھی اپنی زندگی میں قرآن پر غور وفکر کرنے کے لیے بھی وقت نکالا؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''کیا پھر وہ لوگ قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں؟''(سورہ محمد 24)

قرآن کی آیات پر غور وفکر کرنے کے لیے وقت نکالنا ایک پسندیدہ عمل ہے۔اس لیے قرآن نازل کرنے کا مقصد بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ایک اور جگہ فرمایا:

''یہ(قرآن)ایک مبارک کتاب ہے جو(اے نبی)ہم نے تمہاری طرف نازل کی ہے تاکہ یہ لوگ اس کی آیات پر تدبر کریں اور عقل وفکر رکھنے والے اس سے سبق لیں''۔(سورہ ص 29)

پھر فرمایا:

''(اے نبی)اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو آپ دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف جاتا(اور)پھٹ جاتا ہے۔اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں شاید کہ وہ غور وفکر کریں''۔(سورہ الحشر:21)

قرآن ایک بے مثال کتاب

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے یہ(قرآن)خود گھڑ لیا ہے؟ کہہ دیجئے تم بھی اس جیسی دس سورتیں گھڑ لاؤ اور اللہ کے سوا جنہیں(مدد کے لیے)بلا سکتے ہو بلا لو،اگر تم سچے ہو۔پھر اگر وہ تمہیں جواب نہ دیں،تو جان لو کہ یقیناً یہ(قرآن)اللہ کے علم سے اتارا گیا ہے اور یہ کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں،پھر(اے لوگو!)کیا تم مسلمان ہوتے ہو؟''(سورہ ھود 14،13)

اللہ تعالیٰ نے دس سورتوں کے چیلنج کو کم کرتے ہوئے ایک اور جگہ فرمایا:

''کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس(رسول)نے خود اس(قرآن)کو گھڑ لیا ہے؟ کہہ دیجئے:تو تم اس جیسی ایک ہی سورت لے آؤ اور(اس میں مدد کے لیے)اللہ کے سوا جن کو بلا سکتے ہو بلا لو،اگر تم سچے ہو''۔(سورۃ یونس 38)

ایک چھوٹی سورت تین آیات پر بھی مشتمل ہوسکتی ہے مگر یہ کتاب اللہ کا معجزہ دیکھئے کہ کافر اس کتاب کی سورتوں جیسی ایک چھوٹی سی سورت بھی نہ لا سکے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اور یہ قرآن ایسا نہیں ہے کہ غیر اللہ کی طرف سے گھڑ لیا گیا ہو.....اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ رب العالمین کی طرف سے ہے''۔(سورہ یونس 37)

قرآن ایک نصیحت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''بیشک یہ(قرآن)آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے ایک نصیحت ہے اور عنقریب تم لوگوں سے کچھ ہوگی''۔(سورہ الزخرف 44)

اس بارے میں پوچھ گچھ ہوگی کہ اس نصیحت کا کتنا حق آپ نے ادا کیا؟

''اور بلاشبہ یہ(قرآن)تو متقین کے لیے نصیحت ہے''۔(سورہ المرسلات 48)

''بس آپ اس قرآن کے ذریعے سے اس شخص کو نصیحت کرتے رہیں جو میری وعید سے ڈرتا ہے'' (سورہ ق 45)

''اور ہم نے اس قرآن میں ہر طرح پھیر کر (حقائق کو) بیان کیا ہے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں لیکن یہ چیز ان کو نفرت ہی میں زیادہ کرتی ہے''۔ (سورہ بنی اسرائیل 44)

قرآن پورا کا پورا نصیحت سے بھرا ہوا ہے چاہے وہ بشارت اور وعید والی آیات ہوں یا انبیا کے واقعات۔

''یہ (کلام الٰہی) تو صرف نصیحت اور واضح قرآن ہے تاکہ وہ (پیغمبر) اسے ڈرائے جو زندہ ہے اور کافروں پر اللہ کے عذاب کی حجت قائم ہو جائے''۔ (سورہ یٰس 70)

یہاں زندہ سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے ضمیر زندہ ہیں البتہ جن کے ضمیر مر چکے ہیں اور وہ اللہ کی آیات کے انکاری ہیں، تو ان کے خلاف یہ قرآن حجت اس لیے ہے تاکہ وہ لوگ قیامت کے دن یہ نہ کہہ سکیں کہ ہماری طرف کوئی ڈرانے والا نہ آیا۔

سورہ قمر میں اللہ تعالیٰ نے بار بار ارشاد فرمایا:

''بے شک ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کر دیا، پھر کیا ہے کوئی نصیحت پکڑنے والا؟'' (سورہ القمر 17)

اس آیت کا مطلب پسِ منظر کے مطابق یہ ہے کہ عذاب اور آزمائشوں سے سبق حاصل کرنے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی نصیحت یعنی قرآن سے سبق حاصل کرنا زیادہ آسان ہے۔ تو کیا اب ہم اس بہترین نصیحت سے سبق حاصل کرنے کے لیے تھوڑی سی بھی محنت نہیں کریں گے؟

قرآن اور ایمان کی لذت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اور جب ان (سچے مومنوں) پر اللہ کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے''۔ (سورہ الانفال 2)

اللہ تعالیٰ نے ایک اور جگہ فرمایا:

''اللہ نے بہترین کلام اتارا ہے، ایک ایسی کتاب جس کے تمام اجزاء ہم رنگ ہیں اور جس میں بار بار مضامین دہرائے گئے ہیں۔ اسے سن کر ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرنے والے ہیں اور پھر ان کے جسم اور ان کے دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف راغب ہو جاتے ہیں''۔ (سورہ الزمر 23)

قرآن کتاب الفرقان

قرآن مجید حق اور باطل، سچ اور جھوٹ، جائز اور ناجائز، پاک اور ناپاک، حلال اور حرام کے درمیان فرق کرنے والی کتاب ہے اس لیے قرآن کو کتاب فرقان بھی کہا جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وہ بڑی بابرکت ذات ہے جس نے اپنے بندے پر فرقان (یعنی قرآن) نازل کیا تاکہ وہ جہان والوں کے لیے ڈرانے والا بنے''۔ (سورہ الفرقان 1)

پھر فرمایا:

''لوگوں کی ہدایت کے لیے اسی (اللہ) نے فرقان (یعنی قرآن) نازل کیا''۔ (سورہ آل عمران 3)

اور فرمایا:

''رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لیے ہدایت ہے اور اس میں ہدایت کی واضح دلیلیں اور حق و باطل کے درمیان فرق کر دینے والی دلیلیں ہیں''۔ (سورہ البقرہ 185)

قرآن کتاب انقلاب

ارشاد نبویؐ ہے:

''اللہ تعالیٰ اس کتاب (قرآن) کے ذریعے بہت سی قوموں کو بلند کرے گا اور بہت سی قوموں کو پست کر دے گا''۔ (صحیح مسلم)

یعنی قوموں کے عروج و زوال کا انحصار قرآن کے نظام کے نفاذ پر ہے۔ اسلام ایسا دین ہے جو دینی اور دنیاوی تعلیم دونوں کو حاصل کرنے کی ترغیب دیتا ہے اور دینی ترقی کے ذریعے دنیاوی ترقی کو فروغ دیتا ہے۔ قرآن دین اور دنیا کو الگ رکھنے کا نہیں بلکہ دونوں کو ساتھ لے کر چلنے کا کہتا ہے۔

عرب کی قوم آپؐ کے آنے سے پہلے ایک غیر ترقی یافتہ قوم

تھی۔مگر آپ کے مبعوث ہونے کے بعد قرآن کا نظام نافذ کر کے، وہ کچھ ہی عرصے میں دنیا کی سپر پاور بن گئی۔لیکن جب مسلمانوں نے قرآن کو چھوڑ دیا تو وہ پستی کا شکار ہو گئے۔آج اتنی بڑی تعداد میں ہونے کے باوجود مسلمانوں کا دنیا میں کوئی وزن نہیں ہے اور کفار ایک ایک کر کے مسلمانوں کو نشانہ بنا رہے ہیں۔قرآن کے ذریعہ انقلاب کیسے آئے گا؟ یہ انقلاب تب آئے گا جب ہم دوبارہ قرآن کے ساتھ تعلق مضبوط کرتے ہوئے قرآن کے نظام کو نافذ کریں گے۔

نظامِ قرآن کا نفاذ

جس قرآن جیسی بڑی ذمہ داری سے پہاڑ کانپ اٹھتے تھے، اس ذمہ داری سے ہمارے دل نہیں کانپ رہے۔اب قرآن ہماری عملی زندگی میں صرف اسی لیے رہ گیا ہے کہ جن بھوت بھگائے جائیں، کسی کی موت پر پڑھا جائے یا رمضان میں ہی پڑھا جائے۔کیا واقعی ہمارے رب نے یہ کتاب صرف انہی کاموں کے لیے بھیجی تھی؟ یا اس لیے بھیجی تھی کہ ہم اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر دنیا اور آخرت میں سرخرو ہوں؟ قرآن کے معجزات کو محسوس نہ کرنے کی اصل وجہ یہی ہے کہ ہم نے قرآن کی آیات کا حق نہیں ادا کیا۔ہمیں خود سے سوال اور اپنا محاسبہ کرنا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم نماز، روزہ، زکوٰۃ کی پابندی تو کرتے ہیں لیکن معاشرت کے احکام سن کر ہم یا تو دوسرے کان سے نکال دیتے ہیں یا ان آیات کو اپنی مرضی کے معنی پہنانے کی کوشش کرتے ہیں۔قرآن میں جو احکام ہماری پسند کے ہوتے ہیں ہم ان پر تو عمل کر لیتے ہیں لیکن جہاں جہاں سود، جھوٹ، غیبت، چغلی، بہتان اور لعن طعن کی ممانعت اور خوش خلقی کا حکم ہوتا ہے، اس پر ہم عمل نہیں کرتے۔کہیں ہم نے یہود و نصاریٰ کی طرح ''افتؤمنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض'' (کتاب کے بعض حصے پر ایمان لانا اور بعض کو چھوڑ دینا) کا شیوہ تو نہیں اپنا لیا؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اے اہل کتاب! تم ہرگز کسی اصل پر نہیں ہو جب تک کہ تم قائم نہ کرلو تورات اور انجیل کو اور اس چیز کو جو تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف اتاری گئی ہے''۔(سورہ المائدہ 68)

اگر اہل کتاب اپنی کتاب کو قائم کیے بغیر کسی اصل پر نہیں ہو سکتے، تو کیا ہم قرآن کو قائم کیئے بغیر کسی اصل پر ہو سکتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ وعدہ کیا ہے کہ اگر تم اللہ کی طرف سے بھیجی ہوئی کتاب کو قائم کرلو، تو تمہارے نیچے سے بھی رزق ابلے گا اور اوپر سے بھی برسے گا۔

چند عملی نکات

قرآن جتنی بڑی نعمت ہے اس لحاظ سے اس کا اتنا ہی بڑا حساب بھی ہوگا۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم قرآن کا حق ادا کرنے کی پوری کوشش کیسے کر سکتے ہیں؟ اس کے جواب میں درج ذیل نکات پیش ہیں:

- قرآن کے چند صفحے ضرور پڑھیں۔
- قرآن ہمیشہ ترجمہ اور غور و فکر کے ساتھ پڑھیں۔
- اللہ کے احکامات کو پڑھ کر ان پر پوری طرح عمل کرنے کی کوشش کریں۔
- اہلِ جنت کی ساری صفات خود میں پیدا کرنے کی اور اہلِ دوزخ کی ساری صفات خود میں سے نکالنے کی کوشش کریں۔
- قرآن کا جو بھی قصہ ہم پڑھ رہے ہوں، اس سے اپنے لیے اسباق نکالیں۔
- قرآن کا پیغام دوسروں تک پہنچانے کی کوشش کریں۔
- اسلامی حکومت کے قیام کے بغیر قرآن کے بہت سے احکامات پر عمل درآمد ممکن نہیں ہے۔مثلاً حدود کو نافذ کرنا، چور کے ہاتھ کاٹنا، سود اور رشوت کا سدباب کرنا وغیرہ۔اس اعتبار سے ہمیں اسلامی حکومت قائم کرنے کے لیے ان قوتوں کا ساتھ دینا ہوگا جو اسلامی نظام قائم کرنے کا عزم رکھتی ہیں، تاکہ وہ حکومت میں آئیں اور قرآن کے ان احکامات کو نافذ کریں جن کو فراموش کیا جا رہا ہے۔

ان شاء اللہ یہ سب کر کے ہم انفرادی و اجتماعی طور پر کسی حد تک قرآن کے حقوق ادا کر سکیں گے۔لیکن اگر ہم اپنی کتاب سے لاپروائی برتتے ہیں، تو ہم میں اور یہود و نصاریٰ میں کیا فرق رہ جائے گا؟ کیونکہ انہوں نے بھی تو اپنی کتاب کو پسِ پشت ڈال دیا تھا اور نتیجہ یہ نکلا کہ وہ

اللہ کی پکڑ میں آ گئے اور ذلیل ہو کر رہ گئے۔ پھر ہم پچھلی امتوں سے مختلف کیسے ہو سکتے ہیں؟ اگر ہم سب اپنی اور اپنے اردگرد کی اصلاح کی بھرپور کوشش کریں، تو یہ تبدیلی آ سکتی ہے۔ کیونکہ انفرادی اصلاح اجتماعی اصلاح کا موجب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

''بے شک اللہ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا، جب تک وہ خود اپنی کیفیت کو نہ بدل لیں''۔ (سورہ الرعد 11)

ہمارے پاس اختیار ہے کہ یا تو ہم قرآن کے حقوق ادا کریں یا ہم پچھلی قوموں کی طرح پسپا ہو کر رہ جائیں۔ فیصلہ ہمارے ہاتھ میں ہے۔ بقول علامہ اقبال:

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

☆☆☆

اپنی مصنوعات کی تشہیر کے لیے
خواتین کا علمی ادبی اور اصلاحی جریدہ
ماہنامہ چمنِ بتول لاہور
بچوں کا پیارا پیارا رسالہ
ماہنامہ بقعۂ نور لاہور
میں انتہائی مناسب ریٹ پر اشتہار لگوائیں
تحریکی افراد اور اداروں کے لیے خصوصی رعایت
رابطہ
042-37424409,03214050881

یتیم کی پرورش ارشادات نبوی ﷺ کی روشنی میں

- بابرکت ہے وہ گھر جس کے دسترخوان میں کسی یتیم کو شامل کیا جائے۔
- جس نے یتیم کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا تو جس قدر بال اس کے ہاتھ کے نیچے آئیں گے اللہ تعالیٰ اسی قدر نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں درج فرمائے گا!
- قیامت کے دن میں رسول اکرم ﷺ اور یتامیٰ کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح اکٹھے ہوں گے جس طرح میرے ہاتھ کی دو انگلیاں۔
- جس نے یتیم کو نہلایا دُھلایا اسے اچھے کپڑے پہنائے اس کے بالوں میں تیل لگایا اور شانہ کیا اس کی زندگی بنانے میں اس کی مدد کی اس کی دل جوئی کی تو اس نے میرا قرب حاصل کیا اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کی۔

احادیث نبویؐ

ڈاکٹر میمونہ حمزہ

حیا سراسر خیر ہے

انسان میں حیا کا جذبہ فطری ہے۔ لباس اس حیا کا اولین مظہر ہے۔ دنیا میں آنے والے پہلے جوڑے کو اللہ تعالیٰ نے اپنی جناب سے خلعت بھی عطا فرمائی تھی تاکہ ان کے قابلِ ستر حصے چھپائے جا سکیں۔ ممنوعہ شجر کا پھل کھانے پر اللہ کی ناراضی کی بنا پر جب ان کے لباس اتر گئے تو وہ حیا کے سبب جنت کے پتوں سے اپنے ستر ڈھانپنے لگے۔ یعنی حیا وہ صفت ہے جو انسان میں اول روز سے پائی جاتی ہے۔

حیا مومن مردوں اور مومن عورتوں کی زینت ہے، اور دین میں حیا کا خاص مقام ہے۔ جس میں حیا نہیں اس میں انسانیت نہیں، وہ محض گوشت پوست کا انسان ہے۔ اگر اخلاق میں سے حیا کو نکال دیا جائے تو کوئی مہمان کا اکرام نہ کرے، نہ وعدے کو ایفا کرنے کا اہتمام کرے، نہ امانت کی حفاظت کی جائے اور نہ کسی حاجت مند کی حاجت روی کی جائے، اور نہ انسان نیکیوں کے حصول کو چیلنج سمجھ کر قبول کرے، نہ قبیح کاموں سے باز رہنے کی کوشش کرے، نہ اپنے ستر کو ڈھانپنے کا اہتمام کرے، اور نہ فواحش سے رکنے کی کوشش کرے۔ اور اگر حیا کا جذبہ نہ ہو تو بہت سے لوگ فرائض کی ادائیگی کا اس طرح اہتمام ہی نہ کریں۔

حیا لغوی طور پر ''حیاۃ'' سے مشتق ہے (مادہ: ح ی) اور اس سے مراد ایسی شرمساری ہے جو انسان کو رجوع پر مائل کر دے۔ حیا ایک وقار ہے جو بندہ اختیار کرنا چاہتا ہے تاکہ عیب دار امور سے اپنا دامن دور رکھے۔ (لسان العرب)

ابن حجرؒ کہتے ہیں: حیا کو لغۃ میں ''مد'' کے ساتھ لکھا جاتا ہے، اس سے مراد انکسار یا خوف کی بنا پر عیب دار شے کو ترک کر دینا ہے۔ اور کبھی کسی سبب کی بنا پر کسی شے کو چھوڑ دینا بھی اس میں شامل ہے۔ یعنی حیا میں ترک کرنے کا عنصر پایا جاتا ہے، خواہ خوف یا انکسار کی بنا پر ہو یا کسی اور وجہ سے۔ (فتح الباری، ۱۔۵۲)

بارش کو بھی حیاۃ کہا جاتا ہے، کیونکہ یہ زمین، نباتات اور حیوانات کی زندگی کا سبب بنتی ہے۔ اور اسی طرح حیا سے مراد دنیا و آخرت کی زندگی بھی ہے۔ جس میں حیا نہ ہو وہ دنیا کا مردار اور آخرت کا شقی و بدبخت ہے۔ وہ گناہوں سے لدا ہوا اور حیا سے عاری ہے، جس کی دنیا بھی برباد اور آخرت بھی! رہا حیادار شخص، تو وہ گناہ کرتے ہوئے اللہ سے ڈرا، اور نافرمانی سے باز رہا، جب وہ اللہ سے ملاقات کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے سزا دینے میں حیا برتے گا۔ جس نے بے باکی سے گناہ کیے اور اللہ سے حیا نہ کی اللہ بھی اسے سزا دیتے ہوئے حیا نہ کرے گا۔ (الجواب الکافی، ص ۴۶)

ابنِ قیمؒ کہتے ہیں کہ ''جس میں حیا نہیں اس میں انسانیت کی رمق نہیں، وہ بس گوشت اور خون سے بنی ایک ظاہری صورت ہے اور اس میں ذرہ برابر بھی خیر نہیں''۔

الجرجانی کہتے ہیں: حیا کسی عمل کو کرتے ہوئے طبیعت میں انقباض پیدا ہونے کا نام ہے کہ آدمی اس پر ملامت سے ڈرے اور اسے ترک کر دے۔ اور اس کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ نفسانی۔ یہ کیفیت اللہ تعالیٰ نے سب انسانوں میں پیدا کی ہے، جیسے ستر کھل جانے کو ہر انسان ناپسند کرتا ہے۔ حیا کی یہ قسم انسان کی فطرت اور جبلت میں پائی جاتی ہے۔

۲۔ ایمانی۔ یہ کیفیت اسے اللہ کے خوف سے گناہوں کے ارتکاب سے روک دیتی ہے۔ حیا کی یہ قسم اکتسابی ہے، یعنی وہ جس قدر شریعت کی پیروی اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کو بڑھائے گا، اسی قدر اس کی حیا بڑھتی چلی جائے گی اور معصیت کے صدور سے

بچنے کی کوشش کرے گا۔

اخلاق انسان کے اندر نمو پاتے ہیں، اسی طرح حیا کا مسکن بھی انسان کا وجود ہے۔ ایمان اخلاق کی تہذیب اور تزکیہ کرتا ہے، اور جب انسانی وجود میں ایمان پرورش پاتا ہے تو دیگر اخلاق کی مانند جذبہ حیا بھی طاقت ور ہوتا چلا جاتا ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ کئی غیر مسلموں میں بھی حیا کا جذبہ پایا جاتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان میں اس کو ودیعت کیا ہے۔ دوسری جانب بعض مسلمانوں میں بھی قلتِ حیا پائی جاتی ہے، تو اس کا تعلق ان کی ایمانی کیفیت سے ہے۔

حیا اور خجالت میں فرق

خجالت، شرمندگی اور ندامت نفس کی اس کیفیت کا نام ہے جو کسی شک وشبہ میں مبتلا ہونے یا دلیلِ روشن کے خلاف کر جانے کے بعد انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہے، اور حیا وہ کیفیت ہے جو کچھ کرنے سے قبل طاری ہوتی ہے۔ خجالت اپنے کیے پر ندامت کا احساس ہے اور حیا وہ جذبہ ہے جو کسی برے کام کے انجام دینے میں آڑ بن جائے۔

قرآن کریم میں حیا کا لفظ کئی معانی میں آیا ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی حیا کیا ہے؟

''اللہ تعالیٰ حق بات کہنے سے نہیں شرماتا''۔ (الاحزاب، ۵۳)

''اللہ تعالیٰ اس سے ہرگز نہیں شرماتا کہ مچھر یا اس سے بھی حقیر تر کسی چیز کی تمثیلیں دے''۔ (البقرۃ، ۲۶)

قرطبیؒ کہتے ہیں کہ اس کی تأویل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حق کو بیان کرنے میں کسی خوف کا شکار نہیں ہوتا، اور اور نہ حق کہنے سے کوئی بات اس کو انقباض میں مبتلا کرتی ہے۔

رسول اللہؐ ایک روز مسجد میں اپنے اصحاب کے ساتھ بیٹھے تھے، کہ تین لوگ اندر آئے، دو رسول اللہؐ کی مجلس میں آ گئے اور ایک واپس چلا گیا، اور سلام کیا۔ ایک کو حلقے میں جگہ ملی تو وہ اس میں بیٹھ گیا اور دوسرا (حلقے سے باہر) ان کے پیچھے بیٹھ گیا، جبکہ تیسرا شخص واپس چلا گیا تھا۔ جب رسول اللہؐ فارغ ہوئے تو آپؐ نے فرمایا: کیا میں تمہیں ان تین کے بارے میں نہ بتاؤں؟ ان میں سے ایک نے اللہ سے ٹھکانا مانگا تو اللہ نے اسے ٹھکانا فراہم کر دیا (یعنی مجلس میں جگہ)، دوسرے نے اللہ سے حیا برتی تو اللہ نے بھی اس سے حیا برتی، اور آخری نے اللہ سے اعراض کیا تو اللہ نے بھی اس سے اعراض کیا۔ (رواہ الترمذی، ۲۷۲۴)

ان میں سے پہلا شخص طالب علم تھا اور اس کی نیت میں خلوص تھا، تو اسے رسول اللہؐ کی مجلس کے حلقے میں جگہ دی گئی، کیونکہ وہ اللہ سے اسی کا امیدوار تھا۔ دوسرا حیادار تھا، اس نے فقط علم حاصل کرنے سے غرض رکھی اور ازدحام سے بچنے کی کوشش کی، لیکن تعلم اور صحبتِ علما چاہی تو اللہ نے اس کی حیا کی بھی قدر کی اور اسے علم حاصل کرنے کا موقع دے دیا، اور جس نے علم اور اصحابِ علم کی مجلس میں پہنچ کر بھی ان سے اعراض کیا تو اللہ نے بھی اس سے اعراض کیا۔ اس میں حیا کو پسند کیا گیا ہے اور اعراض کو اللہ کی ناراضی کی علامت بیان کیا گیا ہے۔

حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ حیادار اور کریم ہے، جب بندہ اس کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے تو اسے خالی ہاتھ نامراد واپس لوٹاتے ہوئے اسے شرم آتی ہے''۔ (رواہ ابن ماجہ، ۳۸۶۵) اور اللہ تعالیٰ کی حیا بندوں کی مانند نہیں ہے، جو انکسار پر مبنی ہوتی ہے، بلکہ اس کی حیا بھی اس کے جلال اور عظمت کی شان جیسی ہے، جب بندہ اس کی نافرمانی کرتا ہے تو بھی وہ اپنی بے پناہ رحمت اور کمال جود وکرم اور عظیم درگزر کے ساتھ اسے ڈھانپ لیتا ہے، اور اس کے عیب کی پردہ پوشی کر دیتا ہے، اور اس کے گناہ کا پردہ چاک نہیں کرتا۔ ابن قیمؒ اپنے نونیہ قصیدے میں کہتے ہیں:

وہ حیادار ہے، اپنے بندے کی فضیحت نہیں کرتا جب وہ علانیہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔ وہ تو اس پر پردہ ڈال دیتا ہے۔ وہ ہے ہی پردہ پوش اور مغفرت فرمانے والا۔

۲۔ حیادارانہ رویہ

قرآن کریم میں موسیٰؑ کے قصے میں شیخ مدین کی بیٹی کی حیا کو اس طرح بیان کیا گیا:

''پھر ان میں ایک حیا کے ساتھ چلتی ہوئی اس کے پاس آئی''۔

(القصص،۲۵)

اور یہ وہی حیا ہے جو عورت کی زینت ہے، اور اس کی عفت، اس کے شرف اور فضل کی دلیل ہے۔

حیا فطری جذبہ ہے

حیا مرد و خواتین دونوں میں اللہ تعالیٰ نے فطری طور پر رکھی ہے، اور اس کا پہلا اظہار آدم و حواؑ کے زمین پر آنے سے قبل ہوا تھا، جب ان دونوں نے ممنوعہ درخت کا پھل کھا لیا تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا کیے گئے لباس سے ان دونوں کو محروم کر دیا گیا، ان کی کیفیت کو قرآن کریم میں یوں بیان کیا گیا ہے:

''پھر جب انہوں نے اس درخت کا پھل چکھا تو ان کے ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے اور وہ اپنے جسموں کو جنت کے پتوں سے ڈھانپنے لگے''۔(الاعراف،۲۲)

یعنی شرم انسان کے اندر تہذیب کے ارتقاء سے مصنوعی طور پر پیدا نہیں ہوئی ہے اور نہ یہ اکتسابی چیز ہے، بلکہ درحقیقت یہ وہ فطری چیز ہے جو اوّل روز سے انسان میں موجود تھی۔(تفہیم القرآن، ج۲،ص۱۵)

حیا ایمان سے ہے

حیا ایک ایمانی جذبہ ہے، اس کی افزائش کرنا چاہیے نہ کہ اسے دبایا جائے، حدیث میں ہے:

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ ایک انصاری کے پاس سے گزرے، جو اپنے بھائی کو حیا کے بارے میں نصیحت کر رہا تھا (کہ زیادہ شرم و حیا نہ کر) تو رسول اللہؐ نے اس سے فرمایا: اسے چھوڑ دو، حیا تو ایمان کا حصّہ ہے''۔(متفق علیہ)

ابو مسعود عقبہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریمؐ نے فرمایا: ''لوگوں کے پاس کلامِ نبوت سے جو بات پہنچی ہے ان میں یہ بھی ہے: جب تجھ میں حیا نہ رہے تو جو چاہے کر''۔(رواہ البخاری،۳۴۸۳)

کلام نبوت سے مراد پہلے انبیاؑ کے احکامِ شریعت ہیں، جو منسوخ نہیں ہوئے، اور ہر آنے والے نبی نے ان کی تجدید کی ہے، ان میں حیا بھی ہے، اس کا حکم آج بھی ثابت ہے، اور پچھلی نبوتوں میں بھی اس کی تاکید کی گئی تھی۔

'جب تجھ میں حیا نہ رہے تو جو جی چاہے کر' کا بیان تہدیدی ہے۔ یعنی یہ ایسا عمل نہیں جس سے معافی ملے، اب تو مستحقِ سزا ہے۔ حیا کا جذبہ ہی برے فعل کے ارتکاب میں رکاوٹ بنتا ہے۔ جب اس رکاوٹ کو تو نے ہٹا دیا تو اب جو چاہے کر، تجھے سزا مل کر رہے گی۔

حیا سراسر خیر ہے

حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: ''حیا خیر ہی لاتی ہے''۔(رواہ البخاری) اور مسلم میں ہے: ''حیا سراسر خیر ہے''۔ یعنی حیا انسان کو اللہ کی نافرمانی، بداخلاقی اور برے کاموں سے بچاتی ہے۔ معاشرے میں برائیاں کم ہو جائیں تو پاکیزہ فضا نشوونما پاتی ہے جس میں برائی سکڑنے لگتی ہے اور برے لوگ اعلانیہ برائیوں کا ارتکاب نہیں کرتے، نیکی کا چلن عام ہو جاتا ہے، ہر جانب حیا کا خیر پھیل جاتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: ''ایمان کی ستر سے زائد شاخیں ہیں، (یا ساٹھ سے زائد، راوی کو شک ہے)، ان میں سب سے افضل لا الٰہ الا اللہ کہنا ہے، اور سب سے ادنی راستے میں پڑی ہوئی تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا ہے۔ اور حیا بھی ایمان کی ایک شاخ ہے''۔(متفق علیہ)

حضرت انسؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: ''فحش جس چیز میں بھی ہو اسے بدنما بنا دیتا ہے، اور حیا جس چیز میں ہو اسے زینت عطا کرتی ہے''۔(رواہ ابن ماجہ، الترمذی و احمد)

رسول اللہؐ نے اشجع بن عبدالقیس کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: ''اس میں دو صفات ایسی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے: حلم اور حیا''۔

رسول اللہؐ کی حیا

رسول کریمؐ اخلاق کی بہترین حالت پر تھے، اسی لیے آپؐ کی حیا بھی مثالی تھی۔

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے، انہوں نے کہا: ''رسول

اللہؐ پردے میں رہنے والی کنواری لڑکی سے زیادہ باحیا تھے‘‘۔ (رواہ البخاری،۳۵۶۲)

یعنی ایک تو کنواری لڑکی کی حیا اور اس پر مستزاد اس کی باپردہ حالت حیا کی شدت کو ظاہر کرتی ہے، آپؐ اس سے بھی زیادہ حیادار تھے۔اور اگر آپؐ کو کوئی بات بری محسوس ہوتی تو اس کا اثر آپؐ کے چہرہ مبارک پر آجاتا اور وہ سرخ ہو جاتا، کیونکہ آپؐ کا چہرہ مبارک دل کا سچا آئینہ تھا۔

صحیح بخاری میں رسول کریمؐ کے سفرِ معراج کی حدیث تفصیل سے آئی ہے، جب رسول کریمؐ کو پچاس نمازوں کا تحفہ ملا، اور واپسی کے سفر میں حضرت موسیٰؑ نے اس تعداد کو کم کروانے کا مشورہ دیا، اور پیارے نبیؐ بار بار اللہ کے حضور اس کی تخفیف کی درخواست کرتے رہے، اور پانچ کی تعداد کو بھی کم کروانے کے مشورے پر نبی اکرمؐ نے فرمایا: (استحییت من ربی)،’’مجھے اپنے رب سے حیا آگئی‘‘۔(رواہ مسلم)

امہات المؤمنین حضرت زینبؓ کے ولیمہ کی دعوت کھانے کے بعد کچھ لوگ جم کر آپؐ کے گھر بیٹھ رہے اور نبی کریمؐ کو ان کے عمل سے تکلیف پہنچی مگر حیا کے سبب آپؐ نے انہیں جانے کو نہ کہا، تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کو تنبیہہ کرتے ہوئے فرمایا:’’تمہاری یہ حرکتیں نبی کو تکلیف دیتی ہیں، مگر وہ شرم کی وجہ سے کچھ نہیں کہتا، اور اللہ حق بات کہنے سے نہیں شرماتا‘‘۔(الاحزاب،۵۳)

بہترین حیا اللہ سے حیا ہے

بندہ جب اللہ تعالیٰ کے عائد کردہ فرائض کی پروانہ کرے، وہ غفلت کے ساتھ اس کے احکامات کو پیروں تلے روند دے اور شریعت کی پابندیوں کو خاطر میں نہ لائے تو یہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ سے عدم حیا کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ سے حیا نہ کرنے کے معاملے میں انسانوں کا یہ رویہ افسوسناک ہے کہ وہ لوگوں سے تو بڑے اخلاق اور رکھ رکھاؤ سے ملیں اور ان کے سامنے کسی گناہ کا ارتکاب نہ کریں، لیکن جب وہ تنہائی میں ہوں تو اللہ سے حیا نہ کریں اور تمام پابندیوں اور حدود قیود کو توڑ دیں، گویا انہیں اللہ سے ذرا بھی حیا نہیں آتی۔

حضرت سعید بن یزید الازدیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول کریمؐ سے کہا: مجھے وصیت کیجیے۔آپؐ نے فرمایا:’’میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے اسی طرح حیا کرو جس طرح تم ایک صالح شخص سے حیا کرتے ہو‘‘۔(رواہ احمد، فی الزہد،۴۶)

ابن جریرؒ کہتے ہیں کہ یہ مختصر الفاظ میں بہت بلیغ نصیحت ہے، کیونکہ فاسق شخص بھی اپنے مصلح افراد سے حیا کرتا ہے اور ان کے سامنے برائی کا ارتکاب نہیں کرتا، اور اللہ تو اپنی مخلوق کے تمام افعال سے باخبر ہے۔تو بندہ جب اپنے رب سے حیا برتے اور اپنی قوم کے صلحا اور نیک لوگوں سے بھی حیا کرے تو وہ تمام ظاہری اور باطنی معاصی سے اجتناب کرے گا، یوں یہ نصیحت کتنی عمدہ اور جامع ہے۔(دیکھئے: فیض القدیر، ۳۔۷۴)

معصیت حیا کو ختم کر دیتی ہے

ابن القیمؒ کہتے ہیں کہ:’’گناہوں کی سزا یہ بھی ہے کہ وہ حیا کو ختم کر دیتے ہیں جو کہ حیاتِ قلب ہے۔اور وہ ہر خیر کی اصل ہے، اور حیا کا رخصت ہو جانا خیر کا چلے جانا ہے، کیونکہ حیا تو سراسر خیر ہے‘‘۔(الداء والدواء،ص۱۳۱)

حضرت عمر بن خطابؓ کا قول ہے:’’جس میں حیا کی کمی ہو اس کی پرہیز گاری کم ہو جاتی ہے، اور جس کی پرہیز گاری کم ہو جائے اس کا دل مردہ ہو جاتا ہے‘‘۔

دنیا میں کوئی معاشرہ بھی فحاشی، منکرات اور ظلم پر قائم نہیں رہ سکتا۔جس معاشرے میں حیا نہ ہو وہ اندر سے کھوکھلا ہو جاتا ہے، اور اس میں خیر پنپ نہیں سکتی۔

حیا کے مظہر

حیا انسان کے عقل مند و دانا ہونے کی علامت ہے۔اس کا اظہار گفتگو میں بھی ہوتا ہے اور پوشاک میں بھی، برتاؤ میں بھی اور رویے میں بھی!

۱۔کلام

غیر معیاری الفاظ، دروغ گوئی، گمراہ کن انداز اور احترام سے

عاری کلام حیا کے منافی ہے۔ حیا کسی بھی شخص کو نرمی اور حکمت کے ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے باز نہیں رکھتی۔ تین چیزیں دل میں حیا کے احساس کو متحرک کرتی ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اس سے محبت۔

۲۔ یہ احساس کہ ہم اللہ کی نگاہ میں ہیں اور وہ سمیع و بصیر رب ہمیں سن اور دیکھ رہا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ سے کوئی بھی چیز اوجھل نہیں ہوتی۔

۲۔ رویہ

حیا کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ آدمی حیادارانہ رویہ اختیار کرے اور اپنے آپ سے بھی حیا کرے، اور ان فرشتوں سے بھی جو اس کے ساتھ رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے حیا اختیار کرنا بہترین رویہ ہے، جو اللہ سے حیا کرتا ہے اللہ بھی اس سے حیا برتتا ہے۔

حیا کا یہ مطلب نہیں کہ بندہ کسی مسئلے کو پوچھنے میں حیا کرے۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں: ''انصار کی خواتین بہترین عورتیں ہیں، وہ دین سیکھنے میں حیا کو رکاوٹ نہیں بناتیں''۔ (مسلم)

مجاہدؒ کا قول ہے: ''حیا اور تکبر کرنے والا کبھی علم حاصل نہیں کر سکتے''۔ (دینی معاملات میں سوال کرنے سے حیا کرنا علم کے حصول میں مانع ہو جاتا ہے)۔

حسن بصریؒ کہتے ہیں: ''حیا اور فیاضی دو ایسی خصلتیں ہیں کہ جس میں بھی پیدا ہو جائیں اللہ تعالیٰ اسے سربلند کر دیتا ہے''۔ (مکارمِ الاخلاق، ابن ابی الدنیا)

جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں: ''اللہ کی نعمتوں کو محسوس کرتے ہوئے اپنی خطاؤں پر نظر پڑے تو جو کیفیت پیدا ہوتی ہے اسے حیا کہتے ہیں''۔

بنی اسرائیل کے ایک سمجھدار شخص کا قول ہے: ''عورت کی زینت حیا ہے اور حکیم کی زینت خاموشی ہے''۔ (ابنِ ابی الدنیا، ۶۳)

حیا کثیر الفوائد صفت ہے۔ حیا ایمانی صفت ہے، یہ ایمان کو تقویت دیتی ہے۔ حیا اور ایمان باہم و لازم و ملزوم ہیں۔ حیا بہت سے گناہوں کے ارتکاب سے بچاتی ہے، اس طرح یہ مومن کی زندگی میں ایک ڈھال کا کام کرتی ہے۔ حیادار شخص دنیا اور آخرت کی رسوائی سے بچ جاتا ہے۔ حیا ایمان کی ایک مضبوط شاخ ہے، جو اللہ سے حیا برتے وہ دنیا میں بھی اس کی پردہ پوشی کرتا ہے اور آخرت میں بھی کرے گا۔ حیادار شخص کو لوگ بھی پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی۔ حیا فواحش کے افشا سے روکتی ہے، اور کیچڑ میں گرے ہوئے شخص کی پردہ پوشی کر کے اسے اصلاح کا موقع دیتی ہے۔ (الاخلاق الاسلامیہ، المیدانی)

حیا کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ وہ اچھے کاموں پر ابھارے اور برے کام کرنے سے روک دے۔

جس شخص کو اللہ کی جانب سے حیا کا تحفہ ملا، وہ کمال اس کی پوری زندگی پر حاوی ہو گیا۔ انسان حیا کے احساس میں مختلف درجات پر ہوتے ہیں، ہم میں سے بہت سے لوگ آج کے زمانے میں حیا کی کمی پر شکوہ کناں نظر آتے ہیں۔ بازاروں میں بے حیائی عام ہے، شادی بیاہ کے مواقع ہوں یا سیر و تفریح کے مقامات، یا ہمارے تعلیمی اداروں میں نوجوان نسل کے لباس اور میل ملاقات، ہر جانب برے مناظر دکھائی دیتے ہیں۔ یہ سب تبدیلی ایک دن میں وقوع پذیر نہیں ہوئی، بلکہ مرحلہ وار آئی ہے۔ جوں جوں انسان کی اخلاقی حس کمزور پرتی چلی جاتی ہے، شرم و حیا، غیرت اور حمیت مفقود ہوتی چلی جاتی ہے۔ با حیا اور با حجاب زندگی چھوڑ دینے کے بعد انسانی رشتوں میں بھی بے حیائی در آتی ہے، وہ معاشرے جن میں حیا کا اعلیٰ تصور رائج نہیں ہے، وہاں نکاح ایک غیر ضروری قید کا تصور لے کر آیا ہے۔

جس معاشرے میں حیا داری نہیں رہتی وہاں فواحش پھیلنے لگتے ہیں۔ اور انسانی جذبات کو انگیخت کرنے کے لیے مختلف ذرائع خصوصاً ادب، آرٹ، سینما، موسیقی اور رقص کے ذریعے برہنگی و بے حیائی کے مناظر عام ہو جاتے ہیں، گویا شیطان اپنے سارے لاؤ لشکر سمیت اس معاشرے پر حملہ کر دیتا ہے۔ ان حرکتوں پر یہی بات صادق آتی ہے کہ جب تم میں حیا نہ رہے تو جو چاہے کرو۔ ایک بے حیا معاشرہ کی مثال ایسی ہی ہے جیسے آگ کے گڑھے کے کنارے کھڑے ہوئے لوگ! نجانے کس وقت بے حیائی کی آگ انہیں جلا کر خاکستر کر دے۔

خاندانی نظام اور نکاح کے ذریعے تعلقات کا فروغ حیا کو قائم رکھتا ہے اور اس دائرے سے باہر ہر تعلق یا تو زنا ہے یا مقدماتِ زنا میں سے ہے (یعنی ایسی پیش قدمی جس کی انتہا زنا یا اس سے کم برائی پر منتج ہوتی ہے)۔ فحش لٹریچر، ویڈیوز اور چلتے پھرتے بے حیا مرد و زن معاشرے کے بگاڑ میں بڑے ذمہ دار ہیں۔

انسان اور خصوصاً عورت میں حیا کا جو مادہ رکھا گیا ہے اس کا اظہار لباس سے بھی ہوتا ہے اور طرزِ معاشرت سے بھی، اگرچہ مادہ پرست معاشروں میں اسی لغزش نے قوموں کو تباہی کے دہانے پر پہنچایا ہے۔ سترِ عورت اور حیا داری محض عادت نہیں بلکہ مطلوب اخلاقی رویہ ہے۔

اے بنی آدم! ہم نے تم پر لباس نازل کیا، تا کہ تمہارے قابلِ شرم حصوں کو ڈھانکے"۔ (الاعراف، ۲۶) اور پھر خواتین کو یہ بھی فرمایا: "اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو لٹکا لیا کریں"۔ (الاحزاب، ۵۹) امہات المؤمنین کے توسط سے نظام حیا کو قائم کرنے کے اصول وضع کیے: "اپنے گھروں میں ٹک کر رہو اور سابق دورِ جاہلیت کی سی سج دھج نہ دکھاتی پھرو"۔ (الاحزاب، ۳۳) اور جب صنفِ مخالف سے معاملہ ہو تو پردے کے پیچھے سے کیا جائے، اور "دبی زبان میں گفتگو نہ کریں، مبادا دل کی خرابی میں مبتلا کوئی شخص لالچ میں پڑ جائے"۔ (الاحزاب، ۳۲) اسلام میں نکاح کو عفت مآبی اور حیا قائم رکھنے کا ذریعہ بنایا، رسول اللہؐ نے فرمایا: "تمہیں نکاح کرنا چاہیے کیونکہ وہ آنکھوں کو بدنظری سے روکنے اور شرم گاہ کی حفاظت کرنے کی بہترین تدبیر ہے"۔ (رواہ الترمذی) اس طرح اسلامی معاشرت وہ پاکیزہ، محفوظ اور پرسکون فضا فراہم کرتی ہے، جس میں حیا کو قائم رکھتے ہوئے تعمیرِ تمدن میں معاشرے کا ہر فرد فعال کردار ادا کر سکتا ہے۔

☆☆☆

افشاں نوید

مزرعِ تسلیم را حاصل بتول

سیدہ فاطمۃ الزہراؓ

خاتونِ جنت کی مثالی سیرت ہمارے لیے بہترین رہنمائی ہے

آج نئی نسل کی تعلیم و تربیت کے حوالے سے بات کی جائے تو اکثریت کی یہی رائے ہوتی ہے کہ ہمارے ہاں رول ماڈلز کا فقدان ہے۔

یہ اسلامی تاریخ سے سراسر لاعلمی اور بے نیازی ہے۔ ایک مسلمان کے لیے تاریخ کے ہر دور میں مثالی نمونے موجود رہے ہیں۔ اہل بیت رسول ﷺ نے اتنی عظیم الشان مثالیں پیش کی ہیں کہ چودہ سو برس کے بعد بھی وہ روشنی ہم تک پہنچتی ہے تو ہمارے قلب و جاں کو معطر کر دیتی ہے۔ ایک روشن و رخشاں نیّر و تاباں تاریخ۔

ہمیں عظیم لوگوں کی تلاش کے لیے کہیں جانے اور خاک چھاننے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ آب حیات تو ہمارے پاس موجود ہے جس کی نہ صرف خود ہمیں بلکہ پیاسی انسانیت کو تلاش ہے۔ ہم ایک ضوفشاں تاریخ کے وارث ہو کر کیوں اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتے رہیں اور اپنے رول ماڈل مغرب میں تلاش کرتے پھریں۔ آیئے اپنی تاریخ سے جڑتے ہیں۔ حرارت، حرکت اور ضوفشانی پاتے ہیں اور پھر زمانے میں اجالا کرتے ہیں۔ خود ان ہستیوں سے ضیاء پا کر دیا بن جائیں اور پھر دیے سے دیا جلتا چلا جائے۔

دیے کرتی رہوں روشن
ادھر رکھ دوں، ادھر رکھ دوں

یہ کردار ایسے شجر ہیں جو گھنے بھی ہیں اور جن کی چھاؤں بھی ٹھنڈی ہے۔ جگر گوشۂ رسولؐ، جنت کی شہزادی، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مثالی کردار آنے والی نسلوں کی قیامت تک رہنمائی کرتا رہے گا۔

تاریخ کے جھروکوں سے جھانکتی یہ شہزادی سیدہ فاطمۃ الزہراؓ ہیں۔ ہماری عظیم محسنہ۔ ہر جہت میں مثال، ہر آزمائش میں پوری۔ ان کی صحبت میں کچھ وقت گزارتے ہیں۔

جی ہاں یہ وہی ہستی ہیں جن کی پیدائش کی خبر روح الامین حضرت جبریلؑ نے آپؐ کو دی تھی کہ آپؐ کے ہاں بیٹی پیدا ہوگئی اس کا نام فاطمہ رکھئے گا۔ فاطمہ کے معنی ہیں پاک، بابرکت، پاکیزہ۔ دیگر القابات کے علاوہ آپؓ کا لقب بتول بہت مقبول ہے، اس کی بڑی وجہ قرآن کریم میں سورہ مزمل کی آیت ہے۔

وتبتل الیہ تبتیلا (مزمل ۸)

ترجمہ ''اور سب سے کٹ اسی کے ہو رہو''۔

سیدہ فاطمہؓ نے دنیا کی لذتوں و خواہشوں سے قطع تعلق کر کے رب کریم خالق حقیقی سے اپنا رشتہ استوار کر لیا تھا۔ یہ بات کہنے میں بہت آسان ہے لیکن اس دنیا کی تاریخ میں صرف سیدہ فاطمہؓ ہیں جو بتول کے لقب سے جانی جاتی ہیں۔ اور اس لقب کا حق ادا کر گئیں۔ آپ نے بچپن سے لحد تک مستقل گواہی پیش کی کہ وہ اپنے رب کی ہو کر رہنے والی ہستی ہیں اور یہ مقام اسی کو نصیب ہو سکتا ہے جس کے باپ محمدؐ جس کی ماں خدیجہؓ (جن کو جبرئیل امینؑ نے خدا کا سلام پہنچایا اور جنت کے محل کی بشارت دی) جن کے شوہر حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور اولادیں امام حسنؓ اور امام حسینؓ ہوں جو نوجوانان جنت کے سردار ہونے کے عظیم مرتبے پر فائز ہیں۔

ننھی سیدہ فاطمہؓ

جب آپ اپنے باپؐ اور ان کے نام لیواؤں پر ظلم و جبر کے پہاڑ ٹوٹتے دیکھتیں تو بہت آزردہ ہو جاتیں مگر اپنے ہم عمر بچوں کے برعکس بہت سنجیدہ تھیں۔ رسالت کی آزمائشوں پر ہمیشہ استقامت کا مظاہرہ کیا۔

ایسے ہی ایک موقع پر سیدہ فاطمہؓ آپؐ پر ظلم و ستم دیکھ کر آبدیدہ ہو جاتی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا

''میری بچی گھبراؤ نہیں اللہ تمہارے باپ کو تنہا نہیں چھوڑے گا''۔

پھر وقت نے دیکھا اور رقم کیا کہ واقعی اللہ رب کریم نے نہ باپ کو تنہا چھوڑا نہ بیٹی کو۔ زندگی تو نام ہے آزمائش کا۔ جتنا بڑا مشن اتنی بڑی آزمائش۔ پیغمبرانہ مشن تو دنیا کا مشکل ترین مشن ہے۔ پرانے انسانوں کو نئے انسانوں میں ڈھالنا۔ جب لوگوں کی جاہلانہ زندگی، ان کے رسوم ورواج اور تہذیب کو چیلنج کیا جاتا ہے تو قرآن کی گواہی ہے کہ پیغمبروں کے ساتھ کیا کیا سلوک نہیں کیا جاتا۔ کسی کو لہولہان کیا جاتا ہے، کسی کی جان لے لی جاتی ہے، تو کسی کو شہر بدر کر دیا جاتا ہے۔ ہر ممکن طریقہ سے اہل حق کی زندگی میں رکاوٹیں کھڑی کی جاتی ہیں۔ ان کو ہر ممکنہ نقصان اور اذیت سے دوچار کیا جاتا ہے۔

کم عمر سیدہؓ کے لیے اونٹ کی اوجھڑی باپ کے مقدس شانوں کے درمیان سے ہٹانا کسی امتحان سے کم نہ تھا۔ اس حال میں کہ کفار تمسخر اڑا رہے ہیں، ہنس رہے ہیں، آوازے کس رہے ہیں۔

آپؐ کی نور نظر، لخت جگر اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے گردن مبارک سے اوجھڑی ہٹاتی ہیں۔ اور کسی سے کوئی شکوہ نہیں کرتیں کہ میرا باپؐ تو تمہارا خیر خواہ اور بھلائی کا حریص ہے۔ تم سے کیا مانگ رہا ہے۔ وہ تو تمہیں نار جہنم سے بچانے کے لیے بے چین ہے۔ تم پھولوں کا جواب پتھروں سے دیتے ہو۔

حضرت فاطمہؓ کی تربیت شعب ابی طالب میں بھی خوب ہوئی جہاں اہل ایمان اس جرم کی پاداش میں محصور رہے کہ انہوں نے زمانے کے خداؤں کی چاکری سے انکار اور ان کے جھوٹے معبودوں کو ٹھکرا کر ایک خدا کی پرستش کا مطالبہ کر دیا تھا۔

مکہ کی اس گھاٹی شعب ابی طالب کا محاصرہ ایسا سخت تھا کہ گیہوں کا ایک دانہ تک مشرکین مکہ دروازے پر نہ پہنچتے دیتے، بچے بلبلاتے ,فاقوں کے باعث مائیں بچوں کو دودھ پلانے سے عاجز ہوگئیں۔ محصورین اناج کی طویل بندش کے باعث درختوں اور جھاڑیوں کے پتے کھانے پر مجبور ہوگئے۔ ببول کے درخت کے پتے کھانے سے منہ میں چھالے پڑ جاتے اور بکریوں کی طرح منہ سے جھاگ آنے لگتے۔ چمڑے کے ٹکڑے کا ستو بنا کر پینے پر مجبور ہوگئے۔

حضرت فاطمہؓ اس معاشرے میں اپنے بابا پر یہ جور وستم دیکھ رہی ہیں۔ خود بھی ان مصائب میں بابا کے شانہ بشانہ ہیں۔ ان کے لیے حوصلہ کا پیغام ہیں۔ لاکھوں درود اور لاکھوں سلام ,ہم اور ہمارے جیسے ہزاروں بار آپؐ پر قربان۔ پورے تین برس شعب ابی طالب کے یہ مصائب برداشت کئے۔ سیدہؓ کی شخصیت عزم وہمت کی لازوال مثال بن گئی۔

عظیم باپؐ کی عظیم بیٹیؓ

آپؐ حضرت فاطمہؓ سے ایسی شفقت ومحبت فرماتے تھے جس کی مثال ملنا ممکن نہیں۔ آپؐ کو اپنی بیٹیوں میں فاطمہؓ سب سے زیادہ پیاری تھیں۔

آپؐ کا معمول تھا کہ آپ کی لاڈلی جب آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو آپؐ بے اختیار کھڑے ہوجاتے۔ ان کا ہاتھ پکڑتے، ان کی پیشانی پر بوسہ دیتے اور اپنی جگہ پر لا کر بٹھاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر سے لوٹتے تو خاندان میں سب سے پہلے فاطمہؓ سے ملاقات کرتے اس کے بعد اپنے گھر تشریف لے جاتے۔ مقصد یہ تھا کہ جدائی کے بعد پیاری بیٹی کو نظر بھر کر دیکھ لیں۔

بیٹی کو نصیحت

اپنی لخت جگر کو نصیحت فرماتے ہیں کہ عورت کا سب سے بڑا فرض خاوند کی اطاعت اور فرماں برداری ہے۔

اس لیے سیدہؓ نے اپنے شوہر سے وفاداری میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے درمیان کسی بات پر جھگڑا ہوگیا۔ آپؐ بیٹی کے گھر تشریف لائے۔ بیٹی کے چہرے پر کچھ پڑھ کر سمجھ گئے کہ معاملات میں کچھ اونچ نیچ ہے۔

میاں بیوی میں صلح صفائی کروائی پھر جب گھر سے باہر تشریف لے گئے آپؐ کا چہرہ مبارک خوشی سے دمک رہا تھا۔ کسی صحابیؓ نے خوشی کی وجہ دریافت کی تو فرمایا ''میں نے دو لوگوں میں صلح صفائی کرا دی ہے جو

مجھے بہت عزیز ہیں‘‘۔(مدارج النبوۃ)

ایک روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

’’ایسے کوئی میاں بیوی نہیں جن کے درمیان اختلاف رائے پیدا نہ ہو۔ایسا کون سا مرد ہے جو ہر کام بیوی کے مزاج کے مطابق کرتا ہو اور بیوی کی کسی بھی بات پر ناخوشی کا اظہار نہ کرتا ہو‘‘۔

رحمت عالمؐ کا فرمان سن کر حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ سے فرمایا’’خدا کی قسم آئندہ میں ایسی کوئی بات نہ کروں گا جو تمھارے مزاج کے خلاف ہو یا جس سے تمہاری دل آزاری ہو‘‘۔(طبقات ابن سعد،اصابہ،ابن حجر)

ایک دن آپؐ حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لائے۔ پوچھا میرے چچازاد (علی) کہاں ہیں؟ بولیں ان کا مجھ سے جھگڑا ہو گیا ہے دوپہر کو گھر میں آرام نہیں کیا۔رسول پاکؐ کو تشویش لاحق ہوگئی۔اصحابؓ سے کہا انھیں تلاش کریں۔انہوں نے آکر خبر دی کہ مسجد میں ہیں۔آپ فوراً مسجد چلے گئے۔

دیکھا حضرت علی لیٹے ہوئے تھے چادر جسم مبارک سے سرک گئی اور مٹی جسم پر لگ گئی تھی۔ان کے قریب بیٹھ کر جسم سے مٹی جھاڑتے جاتے اور کہتے جاتے’’اٹھو ابوتراب۔ابوتراب اٹھو‘‘۔

حضرت علیؓ کو اپنے ساتھ گھر لائے دونوں میاں بیوی کی ناراضگی دور کی۔حضرت علیؓ کو آپؐ کی زبان سے اتنا پسند آیا کہ زندگی بھر خود کو ابوتراب کہلاتے رہے۔

صابرانہ رفاقت

عورت کی ہستی بھی کیا چیز ہے اس کا تو دماغ بھی اس کے دل کا حصہ ہوتا ہے۔اپنے معاملات کے ذریعے سیدہؓ نے عورت کا وہ کردار ادا کیا جس کی کوئی مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔

ذرا توجہ کیجیے، یہ سیدہ فاطمہؓ ہیں۔رسول خداؐ کی لاڈلی شہزادی!

رات بھر بخار میں مبتلا رہی ہیں،سخت بے چینی میں رات گزاری ہے۔حضرت علیؓ کا بیان ہے میں بھی ان کے ساتھ جاگتا رہا پھر ہم دونوں کی آنکھ لگ گئی۔۔فجر کی اذان سن کر بیدار ہوا تو دیکھا فاطمہؓ وضو کر رہی ہیں۔میں مسجد چلا گیا۔واپس آیا تو دیکھا فاطمہؓ معمول کے مطابق چکی پیس رہی ہیں۔

رات بھر بخار میں مبتلا فاطمہؓ کو آرام کرنا چاہیے تھا۔میں نے کہا فاطمہؓ تمہیں اپنے حال پر رحم نہیں آتا۔صبح اٹھ کر کر ٹھنڈے پانی سے وضو کیا اب چکی پیس رہی ہو خدانخواستہ بیمار ہوگئیں تو؟

فاطمہؓ نے سن کر سر جھکا لیا اور جواب دیا۔’’اگر میں اپنے فرائض ادا کرتے ہوئے مر بھی جاؤں تو کوئی پروا نہیں،میں نے وضو کیا اور نماز پڑھی یہ اللہ کا حق تھا،اب چکی پیس رہی ہوں یہ آپ کی اور بچوں کی خدمت ہے‘‘۔

ان چند لفظوں میں معنی کی ایک دنیا پنہاں ہے۔آج کی عورت کی نظر سے بہت سے حجاب ہٹ جاتے ہیں۔شہزادی سیدہ فاطمہؓ کا یہ جواب آج بھی ہمارے معاشرے کی بہت سے مسائل کی گتھیاں سلجھا سکتا ہے۔

مغربی پروپیگنڈہ یہ ہے کہ ایک مسلمان عورت کو گھر کی باندی بنا کر رکھا جاتا ہے،مرد اس پر ظلم کرتا ہے،وہ تمام عمر ظلم کی چکی میں پستی ہے۔اس کو سماجی دوڑ میں شامل کرنے اور رفاہی خدمات انجام دینے کے بجائے گھر کی خادمہ سمجھا جاتا ہے۔گھر کی عورت ہی کیوں گھر کے سب کام کرے؟وہی کیوں ’خدمت‘ کا عنوان قرار پائے۔اسے احساس دلاؤ کہ تم خدمت کے لیے پیدا نہیں کی گئیں۔

سوچیے بھلا!

ہم مسلمان عورتوں کے لیے اس ہستی کے سوا کوئی رول ماڈل ہو سکتا ہے جو جنت کی عورتوں کی سردار ہو۔

جنت کے سوا بھی ہمارا کوئی گوہر مقصود ہے؟ سیدہ فاطمہؓ نے رہتی دنیا تک مسلمان عورتوں کو سب مسائل کے حل سجھا دیے۔ہم نہ سمجھنا چاہیں ,ہماری اور چودہ سو برس کی تاریخ کے درمیان حجاب حائل رہیں تو دوسری بات ہے۔

قیامت تک کی مسلمان عورتوں کے لیے شافی ہے یہ درس کہ مسلمان عورت جس طرح حالت بیماری میں نماز چھوڑنے کا تصور نہیں کر

سکتی کہ وہ اللہ کا حق ہے اس کے اوپر، اسی طرح وہ بچوں کی خدمت کر کے شوہر اور بچوں پر کوئی احسان نہیں کرتی۔ جس طرح اللہ کا حق ہے اسی طرح اس کے خاندان کا حق ہے۔ یہ جان جو اسی کی عطا کردہ ہے اگر کے راستے میں خرچ ہو جائے تو زندگی سعادت ہے۔ اور کس کام آنی تھی یہ زندگی!

اسلام کا احسان

اللہ کی بندگی کا حق ادا کرنے کا کبھی کوئی دعویٰ کر سکتا ہے؟ احسان تو اس ذات کا ہے جس نے ہمیں اسلام جیسی قیمتی نعمت سے سرفراز فرمایا، ہمیں اس خوش نصیب گروہ میں شامل کیا جس سے اس کے جنت کے وعدے ہیں۔ شوہر اور اولاد کے حقوق ایک مسلمان عورت اس لیے ادا نہیں کرتی کہ وہ مجبور ہے بلکہ عین اللہ کے ادا کردہ فرائض سمجھ کر ادا کرتی ہے۔ آسمان پر تو ایسی عورت کے لیے جنت ہے ہی۔ خود زمین پر بھی اس کا گھر اس کے لیے جنت کا نمونہ ہے۔ ان فرائض کی ادائیگی عبادت کے برابر درجہ رکھتی ہے۔

کتنے پیارے ہیں الفاظ ''اللہ کے راستے میں موت بھی آ جائے تو پروا نہیں''۔ کسی ریاست کو ایف آئی آر کاٹنے کی ضرورت نہیں۔ نہ عورتوں کے تحفظ کے لیے عالمی عدالتوں کو قانون بنانے کی ضرورت ہے اس لیے کہ شریعت اس کو پورا تحفظ مہیا کر چکی ہے۔ ضرورت قانون سازی کی نہیں عورت کو اسلام کے عطا کردہ حقوق دلوانے کی ہے۔ اس سے بڑا بھی کوئی مرتبہ دیا ہے دنیا کے کسی مذہب نے عورت کو کہ اس کو خاندان کی ملکہ قرار دیا اور اس کے قدموں کے نیچے جنت الفردوس رکھ دی۔

یہاں تو عورت الحمدللہ مکمل تحفظ کے حصار میں ہے۔ باپ اور شوہر، بیٹے اور بھائی۔ گھر اور گھر والوں کی خدمت اس کے اوپر زبردستی کی چٹی نہیں ہے بلکہ خدمت عین عبادت شمار ہوتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ جس عورت کے رخسار گھر کے کام کاج میں غبار آلود ہو جائیں وہ جنت میں میرے ساتھ اس طرح ہوگی۔ آپؐ نے اپنی دو انگلیاں ملا کر دکھائیں۔

امور خانہ داری تو رب کی رضا کا ذریعہ ہیں۔ جس ہستی کا لقب ''بتول'' ہو اسی کو یہ زیبا ہو سکتا ہے کہ وہ قیامت تک کی عورتوں کے لیے مثال بنے۔

بیٹے کی گواہی

سیدنا حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ گھر کے تمام کام کاج کھانا پکانا، چکی پیسنا، جھاڑو دینا، ہماری ماں اپنے ہاتھوں سے کرتی تھیں۔ روایات میں ہے کہ امور خانہ داری کی انجام دہی کے لیے کبھی رشتہ دار یا ہمسائے کو مدد کے لیے نہیں بلایا۔ نہ مشقت سے گھبراتی تھیں۔ جب تک شوہر اور بچوں کو کھانا نہ کھلا دیتیں خود بھوکی رہتیں چاہے کتنے ہی وقت کے فاقے سے کیوں نہ ہوں۔

روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ سر پر گھاس کا گٹھا اٹھائے گھر میں تشریف لائے۔ سیدہؓ کی مدد چاہی، ان کو آواز دی وہ کسی کام میں مصروف تھیں آنے میں تاخیر ہوگئی۔ حضرت علیؓ نے وہ گٹھا زمین پر دے مارا اور پوچھا کہ وہ مدد کو کیوں نہ آئیں؟ انہوں نے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا میں کسی کام میں مصروفیت کی وجہ سے نہ آ سکی ورنہ میں جس باپؐ کی بیٹی ہوں وہ کوئی بھی کام کرنے میں سبکی محسوس نہ کرتے تھے۔

حقیقت تو یہی ہے کہ انہوں نے اپنے عظیم باپؐ کے ہر درس کو پیغمبر کی بیٹی ہونے کے ناطے گہرائی سے محسوس کیا تھا کہ جو کام میرے بابا جانؐ نے کیے ہیں وہی امت کے لیے مثال ہیں اور یہ عملی مثالیں اہل بیت رسولؐ سے ہی منتقل ہونا تھیں۔

سیرت مطہرہؑ کا درس بھی یہی ہے کہ آپ اپنی ازواج مطہراتؓ کے ہمراہ گھر کے کسی بھی کام کو کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہ کرتے تھے۔ بالوں میں کنگھی سے لے کر جوتے تک گانٹھ لیتے تھے۔ ازواج مطہراتؓ کا خانگی امور میں ہاتھ بٹا کر فرحت محسوس کرتے تھے۔ فرمایا تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے اچھا ہے اور میں تم میں سب سے اچھا ہوں اپنے گھر والوں کے لیے (متفق علیہ)۔

جب کہ آج ہمارے اطوار بدل گئے ہیں گھر سے باہر ہمارے اخلاق بہت اعلیٰ ہوتے ہیں کہ ہمارے سماجی مرتبہ یا کاروباری معاشی مفاد پر فرق نہ پڑ جائے جبکہ گھر میں ہم ہر طرح کے رویے کو جائز سمجھتے ہیں۔ بہت سے جاہل گھرانوں میں تو آج بھی عورت کی کوئی توقیر نہیں۔

بلکہ بیٹی کی پیدائش کو عار سمجھا جاتا ہے۔

تسبیح فاطمہ

مسلمانوں نے ایک طویل وقت آزمائشوں کا گزارا تھا۔ پھر وہ وقت بھی دیکھا کہ فوج در فوج لوگ اسلام قبول کر رہے ہیں۔ اسلامی سلطنت کا دائرہ وسیع ہو رہا ہے۔ مدینے میں کثرت سے مال غنیمت آنا شروع ہو گیا ہے۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ رسول پاکؐ کے پاس مال غنیمت میں کچھ غلام اور لونڈیاں آئیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کے علم میں آیا انہوں نے سیدہ فاطمہؓ سے فرمایا، چکی پیتے پیتے تمہارے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے ہیں، چولھا پھونکتے پھونکتے تمہارے چہرے کا رنگ تبدیل ہو گیا ہے۔ آج مال غنیمت میں لونڈیاں بھی آئی ہے جاؤ جا کر اپنے والد سے ایک لونڈی مانگ لاؤ۔

سیدہ فاطمہؓ شوہر کا کہنا ٹال تو نہ سکتی تھیں لیکن مقام تفکر یہ ہے کہ گئے تو ان کے ہاتھوں میں پڑے تھے اور رنگ بھی ان کا اپنا تبدیل ہوا تھا۔ انہوں نے محسوس بھی کیا ہو گا اور دنیا کی کوئی عورت ایسی نہیں ہو سکتی جس کو اپنے رنگ روپ کی پروا نہ ہو۔ کوئی عورت اسے کھونے پر آمادہ نہیں ہوتی لیکن..... ہر عورت تو بتول نہیں ہوتی!

بتول تو بس وہی ہیں جو سب سے کٹ کر اپنے رب کی ہو رہیں۔ جن کی منزل آخرت کی کامیابی تھی۔

اپنے روز و شب، اپنی خدمت گزاری، اپنی صحت، اپنا رنگ و روپ سب کچھ اس گھر اور گھر والوں پر وار کے امت کی عورتوں کو یہ سبق سکھایا کہ ایک مسلمان عورت اپنے خاندان کے استحکام کے لیے بڑی سے بڑی قربانی بھی دے سکتی ہے۔ اس کے رنگ و روپ کی قربانی اگر رشتوں میں رنگ بھر سکتی ہے تو یہی ''صبغۃ اللہ'' ہے۔ جس کو قرآن نے کہا کہ سب سے اچھا رنگ اللہ کا رنگ ہے۔

ہاں تو سیدہ فاطمہؓ شوہر کے کہنے پر، محض ان کی رضا کی خاطر جھجکتی ہوئی خدمت اقدسؐ میں حاضر ہوئیں۔ حضرت علیؓ کی درخواست کو کیسے بیان کریں باپ کے سامنے کچھ سمجھ نہ آیا۔ ہاتھوں کو الٹ پلٹ کر دیکھا ہو گا اور یقیناً ہاتھوں کے گٹوں پر چند لمحے کے لیے نظر ٹھہر گئی ہو گی مگر بے سبب تو نہیں تھا یہ سب۔ اس کی قدر و قیمت بھی خوب جانتی تھیں اور ابدی جنت کے خزانوں پر بھی نظر تھی۔ بس سوچ کر رہ گئیں زبان تک نہ لا سکیں حرف مدعا۔

واپس چلی آئیں بولیں مجھے تو کنیز مانگنے کی ہمت نہ ہوئی کل آپ بھی ساتھ چلیے گا۔ چنانچہ دوسرے دن امت محمدیؐ کا یہ عظیم جوڑا ایک چھوٹی سی عرضداشت لے کر خدمت اقدسؐ میں حاضر ہوتا ہے۔ سیدہؓ کو تو زبان ہی نہ ملی تھی شکوہ، پریشانی کو بیان کرنے والی۔ یوں دل اور زبان کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ جس دل میں شکر ہی شکر ہو اس زبان پر شکوہ آنا پتھروں کو پسینہ آنے کے مترادف ہے۔

الغرض حضرت علیؓ نے سیدہ فاطمہؓ کو درپیش تکالیف بیان کیں اور لونڈی کی درخواست کر دی۔

وہ نور العین، وہ لخت جگر، وہ باپ کی پیاری لاڈلی مع شوہر کے سامنے موجود ہے۔ کوئی قیصر و کسریٰ کے خزانے بھی طلب نہیں کیے۔ کوئی اور باپ ہوتا تو اپنی ساری دولت ڈھیر کر دیتا بیٹی داماد کے سامنے مگر.....

یہاں باپ وہ ہستی ہے جس کو قیامت تک اپنا ہر عمل ثبت کر کے جانا ہے کیونکہ قابل عمل تو امت کے لیے یہی اسوہ ہو گا۔ دل میں جو بھی مد و جزر ہو دل کی حالت کون دیکھ سکتا ہے۔ سامنے پیاری فاطمہؓ اور اس کا شوہر ہے مگر فاطمہؓ کو تو جنت کی عورتوں کی سرداری کے منصب پر فائز ہونا ہے اس لیے آپؐ کی زبان مبارک یہ جملے ادا کرتی ہے۔

''تمہیں خدمت کے لیے لونڈی نہیں دے سکتا ابھی اصحاب صفہ کی خورونوش کا تسلی بخش انتظام کرنا ہے ان لوگوں کو کیسے بھول سکتا ہوں جنہوں نے اپنا گھر بار چھوڑ کر مسافرت اختیار کی ہے''۔

یہاں ترجیحات بڑی واضح اور متعین ہیں۔ اتنا عظیم اسوہ کوئی اور ہستی پیش کر سکتی ہے؟

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ

یہی وہ اسوہ ہے، یہاں جذبات اصولوں پر غالب نہ آ سکے۔ اولاد کی محبت برحق ہے مگر مشن کی صداقت بھی بہت اہم ہے۔ اور

اصحاب صفہ پہلی ترجیح ہوں گے اس لیے کہ تم تو اپنے گھر میں ہو وہ تو دین کی خاطر گھر بار چھوڑ چکے ہیں۔ باپ ریاست کا والی ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا ''تم سے پہلے وہ مدد کے حقدار ہیں۔تم جس چیز یعنی مدد کی خواہش مند ہو اس سے بہتر چیز تمہیں بتاتا ہوں ہر نماز کے بعد 33 بار سبحان اللہ، 33 بار الحمدللہ 34 بار اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ یہ عمل تمہارے لیے لونڈی اور غلام سے سے بڑھ کر ثابت ہوگا''۔

سیدہ فاطمہؓ نے دل کی پوری رضامندی کو لفظوں کی زبان دے دی۔فرمایا ''میں اللہ اور اس کے رسولؐ سے اسی حال میں راضی ہوں''۔

یعنی ایک مسلمان عورت اپنے خانگی امور کے لیے ذکر اور وظائف کے ذریعے توانائی حاصل کرسکتی ہے بوجھل پن کو کم کرسکتی ہے۔مقام فکر یہ بھی ہے کہ حضرت علیؓ کسی طرح کا ردعمل ظاہر نہیں کرتے، مجبور نہیں کرتے حضرت فاطمہؓ کو کہ دوبارہ جاؤ بیٹی کا حق ہے باپ کے اوپر۔ ہمارے موجودہ سماج کا ایک رخ یہ بھی ہے کہ جن کی بیویوں کے میکے خوش حال ہوں دامادوں کی نظر اس مال واسباب پر ہی رہتی ہے۔اکثر بیویوں کو مجبور کیا جاتا ہے کہ میکہ سے اپنا حق لے کر آؤ۔

قناعت کی اعلیٰ ترین مثال

بحیثیت مسلمان ہم کتنے خوش نصیب ہیں کہ ہماری تاریخ اعلیٰ انسانی تاریخ ہے۔ان عظیم ہستیوں کے اسوے پر غور کرنے سے ہمارے ذہنی اور فکری مسائل کم ہو سکتے ہیں۔ انہوں نے جو اعلیٰ کردار دنیا میں متعارف کرایا اس کے تذکرے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ہمارے دلوں میں ان کا احترام ہے اور ہم ان کو ان کے اعلیٰ کردار پر خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔ بلکہ اس کا مقصد ایک آئینہ ہوتا ہے کہ ہم کہاں کھڑے ہیں؟ آئینے کے سامنے ہمارے خدوخال کیا ہیں؟ یہ کہنا بہت آسان ہے کہ ہم تو گناہگار ہیں۔ہم کیسے اللہ والوں کا نمونہ پیش کر سکتے ہیں۔ ہم تو اس طرز عمل کا سوچ بھی نہیں سکتے۔وہ بڑے لوگ تھے۔اب ایسے لوگ کہاں ہمارے درمیان۔

کیا ان کرداروں نے ہمیں سوچنے کی دعوت نہیں دی؟ یہ کامل ترین نمونے اسی لیے پیش کیے ہیں اہل بیت رسولؐ نے کہ ہم کس درجے میں ان کرداروں کے قریب ہو سکتے ہیں۔

حضرت فاطمہؓ اللہ کے نبیؐ کی تربیت یافتہ تھیں۔ یہ ثابت کرنے کے لیے انہوں نے اپنے آپ کو، اپنی خواہشات کو قربان کیا کہ دنیا کو دکھا سکیں کہ یہ ہیں اسلام کی روشن تعلیمات جو قابل عمل ہیں اور ان کو روبہ عمل لانے سے آخرت ہی نہیں دنیا بھی آسان ہوجاتی ہے۔

بتول جیسے عظیم الشان لقب کی مالک سیدہ فاطمہؓ نے دنیا سے کٹ کر اور کم سے کم سامان دنیا پر قناعت کر کے دکھایا کہ مسلمان عورت لامحدود خواہشوں کے ہاتھوں رسوا نہیں ہوتی ۔مسلمان عورتیں دنیا کی حریص نہ بنیں، اپنے گھر کو اپنی بہترین صلاحیتوں کا مرکز بنائیں۔ اپنی اولاد کی پرورش کو عبادت سمجھیں اور گھر کے کسی کام کو حقیر نہ سمجھیں۔

ذیل میں کچھ مثالیں پیش کی جارہی ہیں ہم دیکھیں کہ اللہ کے نبیؐ نے اپنی لاڈلی بیٹی کے لیے دنیا کی لذتوں کو اہمیت نہیں دی، ان کو صبر اور حوصلہ کی تلقین کی۔ وہ نصیحت امت کی سب بیٹیوں کے لیے تا قیامت مفید ہے۔

شادی

خاتون جنت سیدہ فاطمہؓ 18 سال کی عمر کو پہنچیں تو آپؐ نے ان کا نکاح اپنے چچازاد حضرت علیؓ سے کر دیا۔حضرت علیؓ فرماتے ہیں مجھے ابوبکرؓ اور عمرؓ نے مشورہ دیا کہ تم فاطمہؓ کے ساتھ نکاح کے لیے نبیؐ کی خدمت میں درخواست پیش کرو۔ میں نے درخواست پیش کی۔آپؐ نے فرمایا تمہارے پاس شادی کے لیے سامان ہے؟

میں نے کہا نہیں۔

آپؐ نے فرمایا وہ زرہ کیا ہوئی جو غزوہ بدر میں ہاتھ آئی تھی؟

میں نے کہا، موجود ہے۔

فرمایا، بس یہی کافی ہے۔

حضرت علیؓ نے یہ زرہ حضرت عثمانؓ کے ہاتھوں ساڑھے چار سو درہم میں فروخت کر کے شادی کا اہتمام کیا۔ بعد میں حضرت عثمانؓ نے وہ زرہ رسول کریمؐ کی نذر کر دی، آپؐ نے دعائیں دیں (اصابہ۔کتاب النساء)۔

مجلس نکاح منعقد ہوئی جس میں ابوبکر، عمرؓ، عثمانؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ اور چند انصار صحابہؓ موجود تھے۔ آپؐ نے فرمایا گواہ رہنا، اللہ کے حکم سے فاطمہؓ کا نکاح میں علیؓ سے 420 مثقال مہر پر کرتا ہوں۔ اے اللہ تو ان دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ قلبی محبت عطا فرما، برکت دے پاکیزہ اولاد عطا فرما آمین۔

اس سے پیاری دعا کیا ایک باپ اپنی بیٹی کو دے سکتا ہے کہ اللہ عزوجل ان میں محبت پیدا کر برکت عطا کر، ان کو گھر بسانے میں آسانیاں مہیا کر۔

حضرت علیؓ نے دعوت ولیمہ میں جو کھانا کھلایا اس میں جو کی روٹیاں، کھجور، پنیر اور مینڈھے کا گوشت تھا۔ یہ کھانا اس وقت عرب کے بہترین کھانوں میں شمار ہوتا تھا۔ اللہ کے نبیؐ نے فاطمہؓ کو جو جہیز دیا آج کے معاشرے کے لیے قابل تقلید نمونہ ہے۔

ایک پلنگ، ایک بستر مصری کپڑے کا جس میں اون بھری ہوئی تھی، دو چھوٹے تکیے، ایک جوڑا بازو بند نقرئی، دو چکیاں، ایک مشکیزہ، ایک پیالہ، دو مٹی کے گھڑے (اسد الغابہ)۔

ازدواجی زندگی میں بعض اوقات فاقوں کا یہ حال ہو جاتا کہ کئی دن گھر میں کچھ نہ پکتا۔ ایک مرتبہ حضرت فاطمہؓ بیمار تھیں نبیؐ عیادت کے لیے تشریف لائے۔ بیٹی کے جسم پر اتنا لباس نہ تھا کہ ستر پوشی کر سکتیں۔ آپؐ نے اپنی چادر مبارک اندر پھینکی اور فرمایا اس سے پردہ پوشی کر لو۔ حضرت فاطمہؓ نے اسے اوڑھنے کے بعد اپنے بابا کو اندر بلایا۔

آپؐ نے حال دریافت کیا۔ فرمایا بابا جان! ایک تو مجھے درد کی تکلیف ہے اس کے علاوہ کھانے کو بھی کچھ نہیں ہے۔

یہ سن کر آپؐ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے آپؐ نے فرمایا ''بیٹی کیا تمہیں پتہ نہیں کہ تم جنت میں تمام عورتوں کی سردار ہو''۔

ہمارے معاشرے میں اگر کوئی باپ بیٹی کے گھر جا کر دیکھے کہ بیٹی کی طبیعت خراب ہے اور کھانے کو بھی کچھ نہیں ہے تو باپ سارا الزام داماد کو دے گا اور اس کو سخت سست کہے گا۔ کبھی بھی یہ نہیں سوچے گا کہ یہ منجانب اللہ ہے اور اسے صبر کی تلقین کرے۔ ہمارے ہاں اکثر گھر بگاڑنے میں زوجین سے زیادہ ان کے والدین کا کردار ہوتا ہے۔

ایک دفعہ سیدہ فاطمہؓ مسجد نبوی میں تشریف لائیں روٹی کا ایک ٹکڑا خدمت اقدس میں پیش کیا۔ آپؐ نے پوچھا یہ کہاں سے آیا؟ فرمایا بابا جان تھوڑے سے جو میسر آئے پیس کر روٹی پکائی، بچوں کو کھلاتے ہوئے خیال آیا کہ تھوڑی آپؐ کے لیے بھی لے جاؤں، پتا نہیں آپ کس حال میں ہوں؟ ہمیں یہ روٹی تیسرے وقت نصیب ہوئی ہے۔ آپؐ نے روٹی تناول کرتے ہوئے فرمایا جان پدر، تیرے باپ کو یہ لقمہ چار وقت کے بعد نصیب ہوا ہے۔

روایات میں ہے کہ گھر میں کھانے کو کچھ نہ تھا سیدہ فاطمہؓ اور حضرت علیؓ آٹھ وقت کے بھوکے تھے۔ دن ڈھلے ایک تاجر کے اونٹ آئے۔ اونٹوں سے سامان اتارنے کے لیے ان کو مزدور کی ضرورت تھی۔ حضرت علیؓ نے خود کو پیش کیا اور شام سے رات تک اونٹوں سے سامان اتارا۔ تاجر نے معاوضے میں ایک درہم دیا۔ اس سے جو خرید کر گھر میں داخل ہوئے۔ شریک حیات منتظر تھیں۔ انہوں نے جو لے کر پیسے، آٹا گوندھا، آگ جلائی، روٹی پکا کے سامنے لا کر رکھ دی۔ جب انہوں نے کھا لیا تو خود کھانے بیٹھیں۔

شیر خدا نے فرمایا اس وقت مجھے سید البشرؐ کا یہ قول یاد آیا کہ فاطمہؓ دنیا کی بہترین عورتوں میں سے ہے۔ باپؐ اور شوہرؓ کی اس گواہی نے سیدہؓ کو لازوال مثال بنا دیا۔ تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ افسوس ہمارے سماج میں شوہر کا قد کاٹھ اس کی مالی حیثیت سے بنتا ہے۔ گھر کے تین دامادوں میں جو مالی طور پر زیادہ خوش حال ہو اس کا اتنا ہی اکرام ہوتا ہے۔ دو بہنوں میں جو کم مالی حیثیت رکھتی ہو وہ ساری زندگی شوہر کو طعنے ہی دیتی رہتی ہے کہ مرد تو میرا بہنوئی ہے جو زندگی کی ہر آسائش بیوی، بچوں کو مہیا کرتا ہے۔ میرے تو نصیب ہی پھوٹے ہوئے تھے جو تم سے بیاہ کر آئی۔

ایک دن آپؐ تشریف لائے۔ فرمایا میرے بچے حسنؓ حسینؓ کہاں ہیں؟ فاطمہؓ بولیں بابا جان گھر میں کچھ نہ تھا۔ باپ کے ساتھ یہودی کے پاس گئے ہیں مزدوری کی تلاش میں۔ آپؐ تلاش کرنے

نکلے، دیکھا بچے حوض کے پاس کھیل رہے ہیں۔ پاس کچھ کھجوریں رکھی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا دھوپ تیز ہوجائے گی علیؓ بچوں کو گھر لے جاؤ۔ انہوں نے فرمایا گھر میں کھانے کو کچھ نہیں ہے۔ تھوڑا سا رکیں تو میں گری ہوئی کھجوریں چن لوں۔ حضرت علیؓ نے کپڑے میں کھجوریں ڈال لیں ایک بچے کو رسول اللہؐ نے اٹھایا ایک کو شیر خدا نے اور گھر پہنچے۔ آپؐ بیٹی ہی سے نہیں اس کے شوہر اور بچوں سے بھی کتنی محبت فرماتے ہیں۔ اسی کا نام اسوہ رسولؐ ہے۔

ایک واقعہ روایت میں ہے کہ اللہ کے نبیؐ بھوک کی حالت میں گھر سے نکلے۔ راستے میں ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ ملے۔ اتفاق سے اس روز ان کے گھروں میں بھی فاقہ تھا۔ تینوں اصحاب حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ ابوایوب انصاریؓ گھر سے ملحق اپنے کھجوروں کے باغ میں تھے۔ اطلاع پاتے ہی کھجوروں کا گچھا توڑ کر بے تابانہ دوڑتے ہوئے گھر پہنچے۔ فوراً عظیم مہمانوں کی خدمت میں پیش کیا۔ بکری ذبح کی سالن پکوایا۔ جب کھانا سامنے آیا تو آپؐ نے ایک روٹی پر گوشت رکھ کر فرمایا، فاطمہؓ کو دے آؤ، اس کے گھر میں کئی وقتوں سے فاقہ ہے۔

یہاں ٹھہر کر سوچنے کا مقام ہے کہ باپ بیٹی دونوں کے گھروں میں فاقہ ..... اس میں امت کے لیے کیا سبق ہے؟ اللہ چاہتا تو امت کے ان نایاب لوگوں پر دنیاوی نعمتوں کی بارش کرسکتا تھا۔ مگر ان عظیم ہستیوں نے دنیا سے جی ہی نہ لگایا۔ نہ اللہ سے دنیا طلب کی۔ دنیا کی نعمتیں ملیں بھی تو سب دولت تقسیم کردی۔

ہمیں بتانا مقصود تھا کہ شام وسحر کے یہ سلسلے لذت کام ودہن کے لیے نہیں ہیں۔ ایسا کرنا زندگی کے ساتھ مذاق ہے۔ کسی بڑے مقصد کے لیے جو جیتے ہیں وہ درویشانہ زندگی اختیار کرتے ہیں۔ مادی لذتوں کے پیچھے بھاگنا ایک مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔ آپؐ چاہتے تو اپنی لخت جگر کو بہترین اسباب زندگی مہیا کرسکتے تھے لیکن آپؐ امت کے لیے یہ سبق چھوڑ کر گئے کہ کم سے کم دنیا پر تکیہ کرو کہ یہ دنیا دھوکے کی جگہ ہے اور سامانِ دنیا، لذتِ دنیا کا حصول ایک مومن کا مقصدِ زندگی نہیں ہے۔ ساڑھے چودہ سو برس سے یہ الفاظ تاریخ کے ماتھے کا جھومر ہیں کہ ''اے میری بچی صبر کر میں آج تین دن سے بھوکا ہوں اللہ تعالیٰ سے میں جو کچھ مانگتا ہوں وہ مجھے ضرور عطا کرتا ہے مگر میں نے دنیا پر آخرت کو ترجیح دی ہے''۔

یہ منظر بھی کیسا دل خراش ہے کہ سرور عالمؐ نے دیکھا کہ سیدہ فاطمہؓ جنت کی عورتوں کی سردار اونٹ کی کھال کا لباس پہنے ہیں اس میں بھی تیرہ پیوند لگے ہوئے ہیں۔ آٹا گوندھ رہی ہیں، زبان پر کلام اللہ جاری ہے۔ آپؐ کی آنکھوں میں آنسو آگئے فرمایا۔

''فاطمہ دنیا کی زندگی کا صبر سے خاتمہ کرو اور آخرت کی کبھی نہ ختم ہونے والی خوشیوں کا انتظار کرو اللہ تعالیٰ تمہیں بہترین جزا سے نوازے گا''۔

ایک موقع پر سیدہؓ کی زرد رنگت دیکھ کر آپؐ نے انہیں اپنے قریب کیا اپنی ہتھیلی ان کے سینے پر رکھی اور فرمایا ''اے رب! بھوکے پیٹ کو بھر دے، اے حاجتوں کو پورا کرنے اور گرے ہوؤں کو بلند کرنے والے! فاطمہ بنت محمدؐ کو بھوکا نہ رکھ''۔

حضرت فاطمہؓ فرماتی ہیں بابا جان کی اس دعا کے بعد سے مجھے کبھی بھوک نے نہ ستایا۔

آئینہ ایام میں آج اپنی ادا دیکھ!

ان روایتوں کی روشنی میں خود اپنا اور سماج کا جائزہ لیں۔ ہم میں سے کسی کے پاس اسباب دنیا کم ہو، کسی کے معاشی حالات ٹھیک نہ ہوں تو معاشرے میں اس گھرانے کو قابل رحم گردانا جاتا ہے۔ ہم میں سے کم ہی کوئی کسی کی ایمانی حالت کی فکر کرتا ہے۔ ہمارا سارا زور جسمانی خواہشوں کی تکمیل پر ہوتا ہے۔ معیار زندگی کو بلند کرنا ہم نے زیست کا حاصل سمجھ لیا ہے چاہے معیار بندگی کتنی ہی نچلی سطح پر ہو۔ معاشرے میں شرف اور اکرام کا پیمانہ معاشی خوشحالی قرار پایا ہے۔ اس کے لیے ہم سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہیں۔

دوسری جانب تاریخ کی گواہی ہے کہ انتہائی کم اسباب دنیا رکھنے کے باوجود ایثار وسخاوت کی جو مثال ان بے نظیر ہستیوں نے پیش کی وہ اس حقیقت کو آشکارا کرتی ہے کہ ان پر دنیا کی حقیقت واضح تھی اور وہ اس دنیا

کومسافر خانہ اور سرائے سے زیادہ اہمیت نہ دیتے تھے۔

کیا آج معاشرے میں ہم اس بات کا تصور کر سکتے ہیں جس کی طرف یہ روایت اشارہ کرتی ہے:

قبیلہ بنو سلیم کے ایک بوڑھے آدمی نے اسلام قبول کیا جو انتہائی مسکین تھے۔ان کی خوراک کے بندوبست کا مسئلہ درپیش ہوا۔حضرت سلمان فارسیؓ نے سیدہ فاطمہؓ کے دروازے پر دستک دی کہ مسکین کی خوراک کا بندوبست کر دیجیے۔

سیدہؓ کے دروازے پر سوالی آئے اور خالی ہاتھ چلا جائے یہ تو ان کے باپ کی سنت نہ تھی۔

آبدیدہ ہوگئیں۔فرمایا''اے سلمانؓ خدا کی قسم! آج گھر میں فاقہ کا تیسرا دن ہے۔دونوں بچے بھوکے سوئے ہیں۔لیکن سائل کو خالی ہاتھ نہ جانے دوں گی۔جاؤ میری یہ چادر شمعون یہودی کے پاس لے جاؤ اور اس سے کہنا فاطمہ بنت محمدؐ کی چادر رکھ لے اور اس کے عوض مسکین کو کچھ غلہ دے دے''۔

سلمان فارسیؓ نے یہودی کو چادر دیتے ہوئے سارا ماجرا بیان کیا ۔یہ سن کر شمعون یہودی کے دل کو ایسا جھٹکا لگا کہ دل کی دنیا ہی بدل گئی۔وہ حیران رہ گیا کہ دنیا میں ایسی عظیم ہستیاں بھی موجود ہیں۔یقیناً یہ جس مذہب کے پیروکار ہیں اس مذہب کی اتنی اعلیٰ آفاقی تعلیمات ہیں۔بے اختیار بولا۔

''سلمان خدا کی قسم یہ وہی لوگ ہیں جن کی خبر توریت میں دی گئی ہے۔تم گواہ رہنا میں فاطمہؓ کے باپؐ پر ایمان لایا''۔

اس کے بعد غلہ حضرت سلمانؓ کے حوالے کر کے ان کو چادر بھی واپس کر دی کہ جگر گوشہ رسولؐ کی اس چادر کی تقدیس اس پر عیاں ہو چکی تھی۔حضرت سلمانؓ نے واپس آ کر چادر اور غلہ دونوں سیدہؓ کے حوالے کیے۔ انہوں نے عجلت میں وصول کیا۔ فوراً غلہ پیسا ,روٹیاں پکائیں،سلمانؓ کے حوالے کیں کہ نومسلم اعرابی جو بھوک سے نڈھال ہے اس کو دے آئیں۔سلمانؓ کو علم تھا کہ ان کے تو اپنے گھر میں فاقہ ہے ۔انہوں نے کہا میرے آقاؐ کی لخت جگر! کچھ روٹی بچوں کے لیے بھی رکھ لیں۔

سیدہؓ نے فرمایا'' جو چیز میں راہِ خدا میں دے چکی ہوں وہ میرے بچوں کے لیے جائز نہیں ہے ''۔

حضرت سلمانؓ نے روٹیاں لے جا کر خدمت اقدسؐ میں پیش کر دیں۔آپؐ سیدہ فاطمہؓ کے گھر تشریف لائے ان کے سر پر ہاتھ رکھا،آسمان کی طرف دیکھا اور رب سے التجا کی کہ اے اللہ فاطمہؓ تیری کنیز ہے اس سے راضی رہنا۔اللہ رب کریم فاطمہؓ سے ایسا راضی ہوا کہ انہوں نے ''بتول''لقب کی عملی تفسیر بن کر دنیا کو دکھایا۔وہ ہر حال میں راضی رہیں اور اللہ رب العزت نے انہیں اپنی رضا کے راستوں پر چلنے کا شرف عطا فرمایا۔

ایثار کی انتہا

ساری رات باغ سینچ کر حضرت علیؓ کو اجرت کیا ملی تھی؟ ایک صاع بھر جو بھی نہ تھے۔لا کر شریک حیات کے حوالے کر دیا کہ بچوں کی بھوک مٹانے کا اہتمام کریں۔اسے پیس کر،پکا کر،کھانا کھانے بیٹھے تھے کہ سائل نے آواز دی کہ '' بھوکے کا پیٹ بھر دو''

سیدہؓ تڑپ اٹھیں کہ قیامت کے دن اللہ حساب نہ طلب کر لے کہ دروازے پر سائل آیا اور تم نے خالی ہاتھ لوٹا دیا۔وہ روٹیاں اس کے حوالے کر دیں۔

پھر جو پیسے روٹی پکائی ابھی لقمہ منہ تک نہ گیا تھا کہ پھر آواز آئی کوئی ہے جو یتیم کو کھانا دے۔یتیم کبھی سیدہؓ کے دروازے سے بھوکا نہیں جا سکتا تھا۔دوبارہ کھانا اس کے حوالے کر دیا۔

پھر غلہ پیس کر،پکا کر کھانے بیٹھیں تو ایک مشرک قیدی نے دروازے پر اپنی بھوک کی کیفیت بیان کی۔اب آخری بار کا غلہ اس مشرک قیدی کی بھوک مٹانے کے کام آ گیا۔

اہل خانہ کے نصیب میں اس روز کھانا تو نہ لکھا تھا مگر یہ مبارک آسمانی ندا لکھی تھی کہ:

''اور وہ اللہ کی راہ میں مسکین،یتیم،اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں''۔ (الدھر)

کتنی پسندیدہ تھی سیدہ کی یہ قربانی رب کائنات کو اور کیسی سند اتری قبولیت کی۔اقبال نے کہا ہے:

خاص ہے ترکیب میں قوم رسولؐ ہاشمی

جس رسولؐ کی قوم ترکیب میں خاص ہے اس کے اہل بیت تو خاص الخاص تھے۔ پہاڑی کے روشن چراغ تھے،آسمانوں کے چمکتے ستارے تھے۔جن کی زندگی کی ضوفشانیوں سے سے آج بھی کائنات منور ہے۔جو اپنے لیے عزیمت کی راہ چنتے تھے اور دوسروں کے لیے رخصت کی راہیں۔

عزیمت کے راہی

سیدہؓ سے پوچھا جاتا ہے چالیس اونٹوں کی زکوٰۃ کیا ہوگی؟ اگر وہ اس کا فقہی جواب دے دیتیں کہ ایک اونٹ تو یہ معمول کا مکالمہ ہوتا ۔مگر انہوں نے جو جواب دیا وہ رہتی دنیا تک امت کو سوچنے پر مجبور کرتا رہے گا کہ فتوے کی راہ چلنا ہے یا عزیمت کی راہ۔ اسلام تو رخصتیں بھی فراہم کرتا ہے مگر عزیمت کا راستہ اس راہ کے راہی اپنے شوق سے چنتے ہیں۔

سنیے سیدہ فاطمہؓ کیا جواب دیتی ہیں۔فرماتی ہیں چالیس اونٹوں کی زکوٰۃ تمہارے لیے تو ایک اونٹ ہوگئی مگر میرے لیے چالیس، میں سارے ہی راہ خدا میں دے دوں گی۔ یہی اہل بیت کے شایان شان ہے اور یہی نقوش پا ہیں جو جنت کے راستوں کے نشان ہیں۔

شرم وحیا

صرف قناعت اور صبر و رضا ہی نہیں جنت کی شہزادی سیدہ فاطمہؓ نے شرم وحیا میں بھی وہ اعلیٰ ترین نمونہ امت کو دیا جس کی ایک جھلک بھی معاشرے میں نظر آتی تو اس معاشرے کو بہت سے فتنوں سے بچایا جا سکتا تھا۔

اسی بنا پر وصیت فرمائی کہ میرا جنازہ رات کو اٹھایا جائے اور میرے جنازے پر کھجور کی شاخیں ڈال دی جائیں تاکہ کسی نامحرم کی نظر نہ پڑے۔ ایک مرتبہ آپؐ نے دریافت فرمایا عورت کی سب سے اچھی صفت کونسی ہے؟ انہوں نے کہا عورت کی سب سے اعلیٰ خوبی یہ ہے کہ وہ کسی غیر مرد کو نہ دیکھے اور نہ کوئی غیر مرد اسے دیکھے۔

ان روایات کو بیان کرتے وقت ہم اپنے گھروں ،اپنی تقریبات،اپنے سماج کا جائزہ لیں کہ ہم جو ہر نماز کے بعد جنت الفردوس کی دعا کرتے ہیں، جو جنت کی عورتوں کی سردار ہیں سیدہ فاطمہؓ،ان کے نقوش پا کو ہم نے بھلا دیا ہے۔واضح رہے کہ انہوں نے اہل بیت کی عورتوں کی یہ صفت نہیں بتائی تھی کہ وہ اپنی نظروں کی حفاظت کریں بلکہ انہوں نے قیامت تک کے لیے مسلمان عورتوں کی یہ صفت بیان فرمائی تھی کہ وہ اپنی نظروں کی حفاظت کرتی ہیں تو درحقیقت وہ پاکیزہ سماج کی بنیاد رکھتی ہیں۔حضرت فاطمہؓ نے امت کی عورتوں کے لیے جو کامل نمونہ چھوڑا ہے ضرورت ہے اس سے آگہی حاصل کرنے کی اور اپنی نسلوں کو بتانے کی ایک مسلمان عورت کی ترجیحات آپ نے اپنی زندگی کے عملی نمونے سے طے کردیں۔

آپ عابدہ،زاہدہ اور ذاکرہ خاتون تھیں جو اللہ کے نبیؐ سے باندی کا سوال کرتی ہیں تو آپ تسبیح فاطمہؓ کی تاکید کرتے ہیں جواب میں آپ کے شوہر نامدار حضرت علیؓ یہ نہیں فرماتے کے باندی کا نعم البدل ذکر کیسے ہوگیا؟ تسبیح کیسے ہوگئی؟ بلکہ آپ دونوں پورے شرح صدر کے ساتھ واپس آتے ہیں کہ اللہ کا ذکر بہت توانائی اور طاقت پیدا کرتا ہے کہ انسان ہر مشکل پر غالب آجاتا ہے۔ذکر صرف وظیفہ زبان بن کر نہ رہ جائے بلکہ ہمارے عمل کے لیے قوت محرکہ ثابت ہو۔سیدہؓ نے اپنے اسوے سے ہمیں سکھایا کہ مسلمان عورت کے لیے شوہر اور بچوں کی خدمت اور گھریلو امور کو خوش اسلوبی سے نبھانا عین عبادت ہے جتنی قربانی دی جائے گی اتنے ہی اللہ کے ہاں درجات بلند ہوں گے۔

آپ کی سیرت کی روشنی میں مساوات نسواں،تحریک آزادی نسواں، ویمن امپاورمنٹ کے نعروں کی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔عورت کی اصل قوت اس کا خوشحال اور پرسکون خاندان ہے جو اس کی معاشی حیثیت کا بھی ضامن ہے۔

حضرت فاطمہؓ کے یہی اوصاف اور خصائل تھے کہ ان کی ساس اور ان کی سوتیلی مائیں بھی ان کے کردار کی بلندی کی گواہی دیتی

تھیں۔حضرت علی کرم اللہ وجہ ان کے اخلاق عالیہ کا تذکرہ بار بار فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی نے حضرت علیؓ سے حضرت فاطمہؓ کے حسن معاشرت کے بارے میں سوال کیا تو آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا'' فاطمہؓ جنت کا خوشبودار پھول تھی،جس کے مرجھانے کے باوجود اس کی خوشبو سے ابھی تک میرا دماغ معطر رہتا ہے۔اس نے اپنی زندگی میں مجھے کبھی شکایت کا موقع نہیں دیا''۔

ان پاکباز ہستیوں کے کردار ہمیں عمل کی دعوت دیتے ہیں،ہمارے سامنے ایک آئینہ رکھ دیتے ہیں کہ اپنے عمل کا بے لاگ جائزہ لیں۔اگر ابدی جنت کے خواہشمند ہیں تو اپنا کردار کچھ تو جنت کی عورتوں کی سردار شہزادی فاطمہؓ کے قریب لانے کی کوشش کریں۔حضرت فاطمہ کا یہ مبارک ذکر ہمارے اندر یہ احساس اجاگر کردے کہ

بتولے باش و پنہاں شو ازیں عصر
کہ در آغوش شبیرے بگیری

(بتول بن جاؤ خود کو فاطمہؓ کی مانند زمانے کی نظروں سے چھپالو تاکہ امام عالی مقام جیسے فرزند تمہاری آغوش میں پروان چڑھیں)۔
حقیقت یہی ہے کہ

وہی ہے راہ ترے عزم و شوق کی منزل
جہاں ہیں عائشہؓ و فاطمہؓ کے نقش قدم

(استفادہ:حکیم الامت علامہ اقبال،روایات طبقات ابن سعد)

☆☆☆

کشمیر کی فریاد

وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيراً

(اور ہمارے واسطے کسی دوست و مددگار کو اپنے پاس سے بھیجیے۔القرآن)

اپنی رودادِ الم جاکے سناؤں کس کو ؟ اور یہ حال زبوں جا کے بتاؤں کس کو؟

زخمِ دل داغ جگر جا کے دکھاؤں کس کو ؟ کس کو آواز دوں نصرت کو بلاؤں کس کو؟

اے خدا ! اب تو کسی یارو مدد گار کو بھیج

ہر طرف جبر کے آثار نظر آتے ہیں کل جہاں گل تھے وہاں خار نظر آتے ہیں

شعلہ زن کو چہ وبازار نظر آتے ہیں نوجواں لاشوں کے انبار نظر آتے ہیں

اے خدا ! اب تو کسی یارو مدد گار کو بھیج

کیا مرے درد کی دنیا میں دوا کوئی نہیں ؟ کیا بھرے دہر میں گوشِ شنوا کوئی نہیں ؟

میرے حق میں جو اُٹھے لب کوئی نہیں کفر ہنستا ہے کہ مسلم کا خدا کوئی نہیں

اے خدا ! اب تو کسی یارو مدد گار کو بھیج

اے خدا! اب تو کوئی مونس و ہمدرد اُٹھے اب ملت کی کسی تہہ میں مرا درد اُٹھے

ابنِ قاسم کی طرح کوئی جواں مرد اُٹھے آتشِ ببر لو آ کر جو کرے سرد اُٹھے

اے خدا ! اب تو کسی یارو مدد گار کو بھیج

(وفات سے کچھ عرصہ قبل عنایت علی خاں مرحوم نے اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی یہ نظم بتول کے لیے ارسال کی)

عنایت علی خاں

خوشیوں کی گھڑی

(داؤدعبدالملک سلمہ کی ضحیٰ جاوید سلمہا سے نسبت کے موقع پر)

خوشیوں کی گھڑی آج مرے در پہ کھڑی ہے
دل کو بھی سکوں ہے تو محبت بھی بڑھی ہے

ہر گل ہے کھلا آج نئے رنگ میں جیسے
اک بادِ صبا خوب چمن میں جو چلی ہے

ہر رنگ فزوں ، فصل بہاراں بھی ہری ہے
خوشبو بھی قبا اوڑھ کے پھولوں کی کھڑی ہے

ہر دل میں ہے بس آج محبت ہی محبت
داؤد و ضحیٰ کی جو یہ نسبت کی گھڑی ہے

اک چاند جو اترا تھا کبھی صحنِ چمن میں
اس چاند کی ضو پہلے سے ہر لحظہ بڑھی ہے

یہ رحمتِ باری ہے جو ہر سمت ہے چھائی
مولا تیرے اکرام کی بارش کی جھڑی ہے

دل کو جو خوشی آج ملی ہے وہ سوا ہے
رحمان تیرے رحم کی ادنیٰ سی کڑی ہے

ہے بیتِ اویس عطیہِ جاوید سے معمور
دولت ہے یہ فائق، یہ خوشی سب سے بڑی ہے

فائقہ اویس

ماہنامہ جہانِ نعت لاہور ستمبر 2020ء

غزل

پھر کہانی سنا رہے ہیں مجھے
آپ پھر آزما رہے ہیں مجھے

درد کے دشت کے سفر پر ہوں
اور وہ ہنسنا سکھا رہے ہیں مجھے

میں یہاں اجنبی مسافر ہوں
فرش والے ستا رہے ہیں مجھے

اے نئے دوست مجھ کو جانے دے
عرش والے بلا رہے ہیں مجھے

زہر کی چاشنی قیامت ہے
مسکرا کر پلا رہے ہیں مجھے

میری تقدیر دیکھیے صاحب
آپ بھی گنگنا رہے ہیں مجھے

آمنہ رمیصا زاہدی

حجاب میرا

وفا کی روشن دلیل ہے یہ حجاب میرا
کہ حکم ربِ جلیل ہے یہ حجاب میرا
میں کیسے کردار کی کوئی جنگ ہار جاؤں
مری حیا کا وکیل ہے یہ حجاب میرا

یہ دورِ حاضر کے پرفتن راستوں میں ہر دم
بڑھا رہا ہے قدم قدم پر وقار میرا
مری ترقی کے جگمگاتے ہوئے گگن پر
حجاب رہتا ہے ہالہ بن کر حصار میرا

یہ میری مٹی یہ میری تہذیب کا امیں ہے
کہیں ہے آنچل کہیں چنریا حجاب میرا
رہِ وفا میں شہادتوں کا امین بن کر
ہے عافیہ اور کہیں ہے مروہ حجاب میرا

مری انا کے سبھی مظاہر کا رازداں ہے
جلال میرا جمال میرا حجاب میرا
اگر نگاہِ غلط اٹھے کوئی میری جانب
مجھے بچاتا ہے ڈھال بن کر حجاب میرا

ہاجرہ منصور

خوشیوں کی گھڑی

(داؤد عبدالملک سلمہ کی ضحیٰ جاوید سلمہا سے نسبت کے موقع پر)

خوشیوں کی گھڑی آج مرے در پہ کھڑی ہے
دل کو بھی سکوں ہے تو محبت بھی بڑھی ہے

ہر گل ہے کھلا آج نئے رنگ میں جیسے
اک بادِ صبا خوب چمن میں جو چلی ہے

ہر رنگ فزوں ، فصل بہاراں بھی ہری ہے
خوشبو بھی قبا اوڑھ کے پھولوں کی کھڑی ہے

ہر دل میں ہے بس آج محبت ہی محبت
داؤد و ضحیٰ کی جو یہ نسبت کی گھڑی ہے

اک چاند جو اترا تھا کبھی صحنِ چمن میں
اس چاند کی ضو پہلے سے ہر لحظہ بڑھی ہے

یہ رحمتِ باری ہے جو ہر سمت ہے چھائی
مولا تیرے اکرام کی بارش کی جھڑی ہے

دل کو جو خوشی آج ملی ہے وہ سوا ہے
رحمان تیرے رحم کی ادنیٰ سی کڑی ہے

ہے بیتِ اویس عطیہِ جاوید سے معمور
دولت ہے یہ فائق، یہ خوشی سب سے بڑی ہے

فائقہ اویس

ماہنامہ جگنو لاہور ستمبر 2020ء

کشمیر کی فریاد

وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيراً

(اور ہمارے واسطے کسی دوست و مددگار کو اپنے پاس سے بھیجیے۔القرآن)

اپنی رودادِ الم جاکے سناؤں کس کو ؟ اور یہ حال زبوں جا کے بتاؤں کس کو؟

زخمِ دل داغ جگر جا کے دکھاؤں کس کو ؟ کس کو آواز دوں نصرت کو بلاؤں کس کو؟

اے خدا ! اب تو کسی یارو مدد گار کو بھیج

ہر طرف جبر کے آثار نظر آتے ہیں کل جہاں گل تھے وہاں خار نظر آتے ہیں

شعلہ زن کو چہ وبازار نظر آتے ہیں نوجواں لاشوں کے انبار نظر آتے ہیں

اے خدا ! اب تو کسی یارو مدد گار کو بھیج

کیا مرے درد کی دنیا میں دوا کوئی نہیں ؟ کیا بھرے دہر میں گوشِ شنوا کوئی نہیں ؟

میرے حق میں جو اُٹھے لب کوئی نہیں کہتا ہے کہ مسلم کا خدا کوئی نہیں

اے خدا ! اب تو کسی یارو مدد گار کو بھیج

اے خدا! اب تو کوئی مونس و ہمدرد اُٹھے اب ملت کی کسی تہہ میں مرا درد اُٹھے

ابنِ قاسم کی طرح کوئی جواں مرد اُٹھے آتشِ ببر لو آکر جو کرے سرد اُٹھے

اے خدا ! اب تو کسی یارو مدد گار کو بھیج

(وفات سے کچھ عرصہ قبل عنایت علی خاں مرحوم نے اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی یہ نظم بتول کے لیے ارسال کی)

عنایت علی خاں

عالیہ شمیم

حجاب میری نظر میں

ہر سال 4 ستمبر کا دن پوری دنیا میں عالمی یوم حجاب کے طور پر منایا جاتا ہے ۔ یہ دن فرانس میں حجاب پر پابندی کے بعد لندن میں 2004ء میں ایک کانفرنس کے موقع پر عالم اسلام کے ممتاز رہنماؤں نے طے کیا تھا جس کی قیادت علامہ یوسف القرضاوی کر رہے تھے۔اس دن کو منانے کا مقصد مسلمان خواتین کے مذہبی شعار حجاب کو تحفظ دینا تھا۔ حجاب پر فرانس کے علاوہ کئی یورپی ممالک نے تعصب برتتے ہوئے پابندی لگا دی تھی کہ ہم کوئی بھی دینی علامت لے کر تعلیمی و سرکاری اداروں میں آنے کی اجازت نہیں دے سکتے ۔ جبکہ اس کے خلاف مسلمانوں کے احتجاج نے باور کروا دیا کہ حجاب کسی بھی طرح عیسائی علامت صلیب یا یہودی ٹوپی کے مشابہ نہیں، یہ محض علامت نہیں ہے بلکہ دین اسلام کے ماننے والوں کے لیے اللہ کا حکم ہے جو قرآن وسنت سے ثابت ہے ۔یوم حجاب کے موقع پر ہم نے مختلف مکاتبِ فکر کی خواتین سے ان کی آرا لیں جو آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

پروفیسر شبنم امان

(صدر شعبہ اردو گورنمنٹ ڈگری کالج برائے خواتین ناظم آباد، شاعرہ، قلم کار، ریسرچ اسکالر فیڈرل اردو یونیورسٹی)

حجاب عورت کی وہ ڈھال ہے جیسے جنگ میں ایک مجاہد کی لوہے کی زرہ اسے خطرناک حملوں سے بچاتی ہے اور وہ کامیاب فاتح بن جاتا ہے۔ اسی طرح خاتون کا حجاب بھی اسے اس معاشرہ کے شر سے بچا کر رکھنے کا ذریعہ ہے۔اس کے ذریعے وہ اپنے دین و دنیا کو بچا کر فاتح بن کر ہر جگہ حکمرانی کر سکتی ہے۔ چاہے مجازی خدا ہو یا حقیقی خدا دونوں ہی اس حجاب سے راضی رہتے ہیں۔

فریدہ مسرور (مصنفہ)

میں ڈاکٹر عنبر عابد کا یہ شعر دہرانا چاہوں گی:

جیسے گوہر صدف میں ہے محفوظ
ہم بھی محفوظ ہیں حجابوں میں

غزالہ رشید (شاعرہ)

دل میں حجاب رکھیے، نظر با حجاب ہو
ایسا کوئی کرشمہ مرے شہر میں جناب

چاہتی ہوں کہ ہر شعبہ میں اسی وقار سے خاتون خود کو منوا سکے، اس کی ترقی کی راہ میں کوئی ایسی رکاوٹ نہ ہو کہ وہ کسی احساس کمتری کا شکار ہو۔

انیلا طالب (عالمہ، شاعرہ، ناول نگار، افسانہ نگار)

میرا حجاب مجھے ہزاروں تاجوں سے بڑھ کر عزیز ہے۔ یہ میرا محافظ ہے اور جنت تک جانے کا ذریعہ بھی۔ یہ میرے لیے جہنم کی آگ کو سرد کرتا ہے اور مجھے دنیا کی بری نظروں سے بچا کر رکھتا ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ میں نے حجاب لے کر حضرت بی بی فاطمۃ الزہراءؓ کی پیروی کی کاوش کی ہے۔حضرت امام حسینؑ کا کتنا پیارا قول ہے کہ ''عورت کا پردہ کرنا شہید کے خون سے بھی افضل ہے''۔ مجھے فخر ہے کہ میں نے دین اسلام کی ایک ایسی چیز کو اپنایا ہے جس کا حکم خود خالق کائنات نے دیا ہے۔ میرا ایمان ہے کہ آج گرمی میں کیا گیا میرا پردہ کل بروز قیامت سخت گرمی سے مجھے بچا لے گا۔ میرا حجاب میرا فخر ہے، میرا مان ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

بندہ پرور حجاب لازم ہے
ہر نظر پارسا نہیں ہوتی

صبیحہ شاہ (مصنفہ)

حجاب کے نام پر دنیا کے مختلف خطوں میں مختلف انداز اپنائے گئے ہیں، انداز جو بھی ہوں وہ عورت کو احساس تحفظ و عزت فراہم کرتے

ہیں۔اسلام عورت کو اوڑھنی سے سر اور جسم ڈھانپ لینے کا حکم دیتا ہے تو دراصل یہ عورت کے لیے اعزاز ہے۔ایک خاموش پیغام ہے تنبیہہ ہے بدنگاہوں کے لیے، شیطانوں کے لیے۔لیکن حجاب محض ایک کپڑے سے خود کو ڈھانپ لینے کا نام نہیں بلکہ با حجاب نگاہ، با حجاب اطوار و انداز بھی لازمی ہیں ورنہ سرسوں کے تیل پر شہد کا ریپر لگا دینے سے وہ شہد نہیں بن جائے گا۔

فرح انیس (مصنفہ)

حجاب مسلمان عورتوں کی پہچان ہے۔جب ہم حجاب کرتے ہیں اور خود کو ڈھانپتے ہیں تو ہم مسلمان عورتیں دنیا کی تمام عورتوں سے منفرد و ممتاز نظر آتی ہیں۔جس طرح ہر عزت و حرمت والی چیز کی حفاظت کی جاتی ہے، تقدس والی چیزوں کو ڈھانپ کر رکھا جاتا ہے تاکہ وہ سب میں نمایاں ہوں۔عورت کو جو وقار عزت ایک دین اسلام نے دیا ہے وہ کسی بھی مذہب نے نہیں دیا۔

مگر ہمارا یہ حال ہے کہ ڈراموں میں دوپٹے کو ملازماؤں تک محدود کر دیا ہے۔یہ پیش کیا جاتا ہے کہ ایک باشعور اور پڑھی لکھی عورت کبھی بھی دوپٹہ نہیں لیتی۔اس سے یہ تصور دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ دوپٹہ نہ اختیار کر کے عورت زمانے کے ساتھ چل رہی ہے، جبکہ دیکھا جائے تو اس طرح تو عورت اس دور میں جی رہی ہے جو اسلام سے پہلے کا تھا۔آج پورا مغرب سوا گز کے حجاب سے خوفزدہ نظر آتا ہے۔وجہ یہ ہے کہ مسلمان عورت جب خود کو ڈھانپتی ہے تو اس کو اپنی پہچان کا احساس ہے اور وہ اس تہذیب و ثقافت کے لیے پورے وقار سے سر اٹھا کر کھڑی ہے۔یہ وہ چیز ہے جس سے مغرب خوفزدہ ہو رہا ہے۔مسلمان عورت کو سوچنا چاہیے کہ اس کا اصل وقار ہی حجاب میں ہے کیونکہ ظاہری حلیہ اس کے تشخص کی پہچان ہے۔ایمان والی عورت کا اصلی زیور سونا چاندی نہیں بلکہ حیا اور عفت ہے۔

دردانہ صدیقی (سیکرٹری جنرل حلقہ خواتین جماعت اسلامی)

حیا اور حجاب کے اسلامی قوانین خالق کائنات کی خاص رحمت کا مظہر ہیں۔ان اصولوں نے نہ صرف خطہ عرب کے جہالت بھرے معاشرے میں پسی ہوئی عورت کو عزت و احترام کے اعلیٰ مرتبے پر فائز کیا بلکہ آج بھی قانون حجاب عورت کے تحفظ کا ذریعہ قرار پایا ہے۔

اسلام میں عورت ایک قیمتی نگینہ ہے اور اس قیمتی نگینے کی حفاظت مرد کو دی گئی ہے۔مرد اور عورت مل کر خاندان بناتے ہیں اور ان دونوں ہی کو حیا و حجاب کے اصول سکھائے گئے تاکہ ماحول پاکیزہ رہے۔مغربی تہذیب جو قانون حجاب کو دقیانوسیت اور پسماندگی قرار دیتی ہے آج اخلاقی زوال کا شکار ہو کر اپنا ہی پھیلایا گند سمیٹنے کی کوشش میں مصروف ہے۔حیا سے عاری معاشرے نے عورت کی عزت و عصمت کا تصور ختم کر کے اسے آلہ تجارت بنا کر پیش کر دیا، چادر و چار دیواری سے باہر لا کر عورت کے نسوانی وقار کی دھجیاں بکھیر کر اسے سر بازار کھڑا کر دیا ہے۔

حیا اور حجاب پاکیزگی اور آزادی کی علامت ہے۔یہ معاشرے کے لیے رحمت ہے، اور فتنوں کے دور میں تحفظ کرنے والی ڈھال۔یہ وقار کی علامت اور اسلامی تہذیب کی بنیاد ہے۔

بنت شبیر۔ گجرات (طالبہ)

حیا وہ انمول وصف ہے جو عورت کو عورت ہونے کا اعزاز دیتا ہے۔ستر اور حجاب سے حیا پروان چڑھتی ہے۔حیا وہ چیز ہے جس کے بارے میں فرمایا گیا کہ اگر تم میں حیا نہ رہے تو جو چاہے کرو۔حجاب مرد و عورت دونوں کی ضرورت ہے۔بچپن ہی سے بچوں کو ہر قسم کی لغو چیزوں سے بچا کر رکھا جائے۔انہیں اپنی محبت کی آغوش میں رکھا جائے کیونکہ بچے کی ابتدائی عمر ہی سیکھنے کی اور اس کی شخصیت بننے کی ہوتی ہے۔پہلی درسگاہ ماں کی گود ہوتی ہے۔بچے کا تعلق اللہ اور قرآن کے ساتھ بچپن سے ہی جوڑ دیں تاکہ اسے ایک مسلمان کی اقدار کا مکمل علم ہو، حیا و حجاب سے آراستہ ہو اور گمراہ نہ ہونے پائے۔

ڈاکٹر الماس روحی (پروفیسر پی ای سی ایچ ایس گرلز کالج)

عورت ستر ہے اور ستر چھپانے کی چیز کو کہا جاتا ہے۔عورت جب تک چھپی ہوئی ہے تو عورت ہے۔خواتین کو اسلام نے پردے کا پابند اس لیے کیا ہے کہ ان کی عزت و عصمت پر کوئی حرف نہ آئے۔نبیؐ اکرم نے ایسے کپڑے پہننے والیوں پر لعنت بھیجی ہے جو لباس پہن کر بھی

ننگی رہیں۔حجاب لازمی ہے یہ جسم کی حفاظت کے ساتھ روح کی طہارت کا بھی ذریعہ ہے۔

طلعت یاسمین (ایڈوکیٹ)

حجاب ہمارے محافظ کی حیثیت رکھتا ہے۔گھر کے رشتوں کے مابین حجاب گفتگو کا ذریعہ ہے،حجاب ساتر لباس ہے جو وقار کی علامت ہے،حجاب رابطے کا ذریعہ بھی ہے،حجاب کے قانون میں تحفظ ہے عصمت وعزت کے لیے، یہ ہمارے لیے حدود معین کرتا ہے،اور معاشرے کی برائیوں کو اپنے کردار سے روکنے کے طریقے بتاتا ہے۔

ڈاکٹر سمیعہ راحیل قاضی

(سابق ممبر قومی اسمبلی،اسلامی نظریاتی کونسل،صدر انٹرنیشنل مسلم ویمن یونین)

حجاب ایک نظام عصمت وعزت ہے جو مردوں سے شروع ہوتا ہے جبکہ ہمارے معاشرے میں حجاب کو صرف عورتوں سے منسوب کر دیا گیا ہے۔حجاب محض کپڑے کا ٹکڑا نہیں بلکہ معاشرے کے تحفظ کا نام ہے۔سورہ احزاب میں مردوں کو مخاطب کر کے پردے کے پیچھے سے کچھ لینے کا حکم دیا گیا۔سورہ نور میں بھی نگاہ نیچی رکھنے کا حکم سب سے پہلے مردوں کو دیا گیا۔حجاب ذہنی پس ماندگی کا نام نہیں بلکہ حجاب آزادی کی توانا علامت ہے۔

ناہید طاہر

(افسانہ نگار، بھارت سے تعلق رکھتی ہیں۔گزشتہ کئی سالوں سے ریاض،سعودی عرب میں مقیم ہیں۔ان کی تخلیقات ہندوستان، پاکستان،سعودی عرب کے اخبار و رسائل میں شائع ہوتی ہیں۔ناول ''ساحل کو چھو کر'' اُردو نیوز، ریاض میں قسط وار شائع ہوتا رہا)

حجاب اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت ہے۔جس نے رب کے اس فیصلے کو نہ مانا اس سے بڑی گمراہی بھلا کیا ہوسکتی ہے!اسلام کے معاشرتی نظام عفت وعصمت کی بنیاد ایمان ہے اور اس کی روح حیا ہے۔اس حکم کے آگے کوئی بحث اور دلائل نہیں۔اکثر خواتین کا کہنا ہے کہ پردہ تو آنکھوں میں ہوتا ہے۔ہم بن سنور کر بنا حجاب کے شاپنگ سینٹر میں چلی جائیں تو کیا ہماری آنکھ کا پردہ ہمارے جسم کا تحفظ کر سکتا ہے؟نہیں بالکل نہیں۔ہم لاکھ خوش فہمی میں مبتلا رہیں کہ ہم نے آنکھ کا پردہ کر رکھا ہے اور مرد ہمارے جسم کے نشیب وفراز سے لطف اندوز ہوتے رہیں۔

عالیہ منصور (ڈائریکٹر میڈیا سیل حلقہ خواتین جماعت اسلامی)

میری نظر میں حجاب محض ایک ڈھانپنے کی چیز نہیں بلکہ ایک سوچ اور فکر کی علامت بھی ہے۔حیا و حجاب ہماری معاشرتی اقدار کا وہ بنیادی حصار ہے جسے مرد و زن دونوں کو مل کر تھامنا ہے اور اس حصار کو گرنے سے بچانا ہے یہ جتنا مضبوط ہوگا معاشرہ اتنا پرسکون ہوگا۔اللہ کرے معاشرے کا ہر فرد اس بات کو سمجھ جائے۔

ڈاکٹر کوثر فردوس (کیپٹن (ر)،سینیٹر)

میں نے آرمی میں میڈیکل ڈاکٹر کے طور پر با حجاب ڈھائی سال سروس کیپٹن ڈاکٹر کے طور پر کی اور پہلے ہی انٹرویو کمیٹی کو پردے کی شرط رکھ دی تھی گو کہ وہ آرمی کے ڈریس کوڈ کے خلاف تھا۔انہوں نے باقاعدہ پوچھا کہ قرآن میں کہاں پردے کا حکم ہے، میں نے ان کو تفصیلی بتایا، میری ریکرومنٹ ہوگئی بعد میں بھی کافی ڈاکومینٹیشن ہوئی اور آخر کار انہوں نے مجھے جاب کی اجازت دے دی۔میں نے ان کے ڈریس کوڈ پر چہرے کے پردے کے ساتھ سروس کی۔پھر میں ممبر سینیٹ منتخب ہوئی اور وہاں چیئرمین سے میں نے چہرے کے پردے کی اجازت لی اور اپنی ذمہ داری دو سیشن یعنی چھ سال چہرے کے پردے کے ساتھ نبھاتی رہی۔اسی طرح پرائیویٹ یونیورسٹی رفاہ انٹرنیشنل اسلام آباد میں بھی پردے کے ساتھ جاب کی۔اتنی تفصیل بتانے کا میرا مطلب یہی ہے کہ پردہ کبھی بھی ترقی کی راہ میں رکاوٹ نہیں رہا۔میں نہیں سمجھتی کہ پردہ کرنا کسی بھی کام میں رکاوٹ ہے، بلکہ یہ عورت کی عزت وعصمت کا تحفظ ہے۔اور اب تو کووڈ ۱۹ نے بھی ساری دنیا کو چہرے کا پردہ کروادیا اس کے باوجود سب کام ہو رہے ہیں۔

ڈاکٹر حفصہ سعید

(ڈاؤ میڈکل کالج،انڈس ہسپتال،پوسٹ گریجویٹ ضیاء الدین ہسپتال)

حجاب تحفظ ہے رحمت ہے۔پردے کے ساتھ عورت ہر کام کر سکتی ہے موجودہ دور کی عورت با حجاب پائلٹ بھی ہے، پولیس بھی،شیف بھی، ڈسٹرکٹ جج بھی اور ڈاکٹر و نرس بھی، جو یہ باور کراتی ہے کہ پردہ

ترقی کی راہ میں رکاوٹ نہیں اور خواتین مردوں کے ساتھ باحجاب کام کر رہی ہیں۔حجاب مسلمان عورت کا ڈریس کوڈ ہے جو اللہ نے ودیعت کیا ہے، حصار ہے، تقدس ہے اور پاکیزہ معاشرے کو جنم دیتا ہے۔

طہورہ شعیب (قلم کار)

حجاب کا تصور بہت وسیع ہے۔یہ رشتوں میں تنگ نظری پیدا کرنے والی چیز نہیں ہے۔بھائی شوہر سسر..... یہ قدموں کی زنجیریں نہیں عورت کے محافظ ہیں۔لیکن یہ حفاظت تب ہی ممکن ہے جب یہ رشتے اپنی ذات میں واقعی ایک ''مرد'' ہوں۔اپنی ماں، بہن، بیٹی اور بیوی کو ہر طرح کا تحفظ اور عزت دینے کا خواہاں مرد اگر کسی اور عورت کے سامنے نگاہ نیچی نہیں رکھ سکتا، اپنے آپ کو برے خیالات اور اوچھی حرکات سے باز نہیں رکھ سکتا تو درحقیقت وہ محافظ نہیں ہے، کہ ایک محافظ ایک ہی وقت میں حفاظت اور نقب زنی نہیں کر سکتا!

دوسری طرف اگر عورت یہ سمجھتی ہے کہ مرد کی سربراہی و سرپرستی اور تحفظ دینے سے وہ حصار میں نہیں قید و بند کی صعوبت میں ہے تو وہ جان چھڑکنے والے رشتوں سے ہی نہیں اپنے تحفظ سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتی ہے۔وہ سب کی دسترس میں ہوتی ہے مگر اپنے ہی رشتوں کی نہیں رہتی۔

تیسری طرف وہ سماجی رویے ہیں جن میں کبھی باحجاب خواتین کو شدت پسند اور تنگ نظر ظاہر کیا جاتا ہے۔گویا دین کے مطابق اپنے حلیے کو ڈھال لینے سے ہر طرح کی صلاحیت، قوت اور ہنر سے معمور وہ عورت زمانے کے ساتھ چلنے کے لیے نااہل ٹھہر جاتی ہے۔کبھی پردہ نشیں معصوم جانوں کو غیرت کے بخار کی بھینٹ چڑھا دیا جاتا ہے تو کبھی عورت کو اس کے وقار، تحفظ اور تقدس سے دامن چھڑا کر اس کی حیثیت محض ایک تشہیری عنصر (advertising tool) کی کر دی جاتی ہے۔کبھی آنکھ میں حیا کو جواز بنا کر مادر پدر آزادی کی بھیانک شکل کو رنگین پردوں میں چھپا دیا جاتا ہے۔یہ کھلے تضاد ہیں جو ہمارے معاشرے کے عکاس بنتے جا رہے ہیں۔

جب سوچ سے لے کر عمل تک اپنے وقار و عزت کی حفاظت عورت کی اپنی اولین ترجیح ہو، مرد اس کو تحفظ کا حصار دے اور اپنے کردار میں مضبوط ہو، نکاح آسان ہو اور گناہ بے حد مشکل، حیا صرف نگاہ میں نہیں چال، لباس، کردار اور عمل میں بھی ہو تب ہی معاشرے میں عورت عزت اور اپنا مقام پا سکتی ہے۔

☆.....☆.....☆

ڈاکٹر فلزہ آفاق [1]

کورونا کی وبا اور ہماری ذمہ داریاں

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جس طرح زندگی کے ہر پہلو میں ہماری رہنمائی فرمائی ہے اس طرح ہمیں یہ بھی بتادیا ہے کہ کسی آزمائش کی صورت میں ہماری کیا سوچ اور کیا عمل ہونا چاہیے۔ کس طرح ہمیں اس سے صبر اور شکر کے ساتھ گزرنا ہے اللہ تعالیٰ ہم سے کہتے ہیں۔

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو صبر اور نماز سے مدد لو، اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو، ایسے لوگ تو حقیقت میں زندہ ہیں، مگر تمہیں ان کی زندگی کا شعور نہیں ہوتا اور ہم ضرور تمہیں خوف وخطر، فاقہ کشی، جان و مال کے نقصانات اور آمدنیوں کے گھاٹے میں مبتلا کر کے تمہاری آزمائش کریں گے۔ ان حالات میں جو لوگ صبر کریں اور جب کوئی مصیبت پڑے تو کہیں کہ ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے۔ انہیں خوشخبری دے دو کہ ان پر ان کے رب کی طرف سے بڑی عنایات ہوں گی، اُس کی رحمت اُن پر سایہ کرے گی اور ایسے ہی لوگ راست رو ہیں''۔ (البقرہ 157-153)

زندگی اور موت کا درمیانی عرصہ تو دراصل امتحان کی مدت ہے تاکہ اللہ تعالیٰ دیکھیں کہ ہم میں سے کون احسن عمل کرنے والا ہے، سورہ ملک میں اللہ تعالیٰ نے زندگی کا مقصد وضاحت سے بتایا ہے کہ زندگی میں پیش آنے والے حالات وواقعات سے دراصل ہمیں آزمایا جاتا ہے۔

دنیا میں طالب علم امتحانات کیوں دیتے ہیں؟ اسی لیے کہ پاس ہو کر اپنی منزل کو پاسکیں۔ اپنا درجہ بڑھا سکیں۔ تو زندگی کا یہ امتحان بھی درجے بڑھانے اور اپنی اصل منزل..... اللہ کی رضا کو پانے کے لیے ہے۔ جس طرح پرچے کے مشکل سوال زیادہ محنتی اور قابل طالب علم کو دوسروں سے ممتاز کرتے ہیں اسی طرح آزمائش بھی انسان کو کندن بنانے کے لیے آتی ہے۔ گو آزمائش کی تمنا نہیں کرنی چاہیے کہ ہم اس کے قابل نہیں مگر مشکل حالات سے واسطہ پڑ ہی جائے تو صبر اور شکر کے ساتھ ان کو گزارنا، اجر کے در کھول سکتا ہے۔ سورہ بقرہ کی ان آیات میں تو صبر اور نماز سے مدد لینے والوں کو خوشخبری سنائی گئی ہے۔

مومن کے لیے تو ہر حال میں خیر ہی خیر ہے اور ہر تنگی کے ساتھ اللہ نے فراخی بھی رکھی ہے، بس اس فراخی کو تلاش کرنا ہمارا کام ہے۔

کورونا وائرس کی موجودہ وبا جسے covid-19 کا نام دیا گیا ہے (یعنی کورونا وائرس کی وہ وبا جو 2019 میں ظاہر ہوئی) اس کا جراثیم SARS COV-2 سے مختلف ساخت اور صفات رکھتا ہے۔ اس کا بیرونی خول ایک تاج کی طرح RNA کے گرد موجود ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک انوکھی تخلیق ہے جو ہمیں متوجہ کرتی ہے کہ مقتدرِ اعلیٰ اللہ ہی کی ذات ہے جس کی ایک ادنیٰ مخلوق بھی ہماری پوری زندگی کو زیروزبر کرسکتی ہے۔ اگر اللہ ایسا چاہے اور اللہ ہی اس کے شر سے ہماری حفاظت کرسکتا ہے۔ یہ نیا وائرس، کورونا وائرس کے جینیاتی مواد میں تبدیلی کی صورت میں ظاہر ہوا عموماً ایسے تبدیل شدہ وائرس باقی نہیں رہتے لیکن اگر رہ جائیں تو خطرناک ثابت ہوسکتے ہیں۔ ابتدا میں اس وائرس سے فلو کے وائرس کی طرح کی علامات ظاہر ہوتی ہیں مگر حقیقتاً یہ اس سے یکسر مختلف ہے۔ فلو ایک فرد سے دوسرے میں جلدی پھیلتا ہے، اس کی علامات جلدی ظاہر ہوتی ہیں اور اس سے اموات کی شرح 0.1 فی صد سے کم ہوتی ہے۔ جبکہ کووڈ 19 کی علامات 2 سے 14 دن اور اوسطاً 5 دن کے عرصے میں ظاہر ہوسکتی ہیں، زیادہ لوگوں میں پھیلتی ہیں اور شرح اموات اوسطاً 3 سے 4 فیصد ہے جبکہ 6 فیصد بھی دیکھا گیا ہے۔

اچھی بات یہ ہے کہ اسی فیصد لوگوں میں یا تو کوئی علامات نہیں ہوتیں یا معمولی نوعیت کی ہوتی ہیں۔ 15 فیصد لوگوں کو سانس لینے

[1] نگران ریلیف پاکستان اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن شعبہ خواتین پنجاب

میں دشواری اور آکسیجن کی ضرورت پڑ سکتی ہے ۔5 فیصد مریضوں کو مصنوعی طریقے سے سانس (ventilation) دینے کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ان 5 فیصد میں شرح اموات زیادہ ہے۔

2002 میں جو وبا SARS (severe acute respiratory syndrome) کے نام سے پھیلی تھی ، اس میں شرح اموات زیادہ تھی مگر اس سے نسبتاً کم لوگ متاثر ہوئے۔

علامات

covid-19 کی عمومی علامات میں بخار (جو پہلے ہلکا اور پھر تیز ہو سکتا ہے) خشک کھانسی اور تھکاوٹ شامل ہیں۔ان کے علاوہ دیگر علامات بھی ظاہر ہو سکتی ہیں، مثلاً گلے میں درد، آنکھوں میں سوزش، نزلہ، سر درد، جسم میں درد، متلی یا اُلٹی آنا، پتلے موشن ڈائریا، ذائقے/اور سونگھنے کی حس کا ختم ہونا ، جسم میں سرخی ، ہاتھ یا پاؤں کی انگلیوں کا رنگ بدلنا ۔زیادہ تشویشناک علامامت میں سانس میں دشواری ، سینے میں درد یا دباؤ میں دشواری یا جسم کے کسی حصے میں اچانک کمزوری، غنودگی، ہونٹوں کا نیلا پن شامل ہیں ۔بعض اوقات کرونا دل یا دماغ کی بیماری کی صورت میں بھی ظاہر ہو سکتا ہے۔

علامات کی موجودگی میں ڈاکٹر سے مشورہ کریں تا کہ ٹیسٹ اور ہسپتال جانے کے بارے میں آپ کو رہنمائی دی جا سکے ۔جیسا کہ پہلے ذکر ہؤا ہے 80 فیصد لوگوں میں علامات نہیں ہوتیں یا معمولی نوعیت کی ہوتی ہیں اور وہ گھر پر ہی بہتر ہو جاتے ہیں۔ بیماری پر شروع کے مراحل میں قابو پانا آسان ہوتا ہے۔

علامات کے ضمن میں انڈس ہسپتال والوں نے ایک ایپ بنائی ہے جس میں آپ اپنی علامات لکھیں تو آپ کو بتا دیا جاتا ہے کہ کورونا ہونے کے کتنے امکانات ہیں اور آپ کو کیا کرنا ہے۔

اس کے علاوہ حکومت کی طرف سے ہیلپ لائن موجود ہے ، PIMA (پاکستان اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن) کی telemedicine کی سروس موجود ہے جہاں فون پر رہنمائی دی جاتی ہے۔ کچھ اور ادارے بھی اس سلسلے میں کام کر رہے ہیں مثلاً cured کے نام سے ایک این جی او ڈاکٹروں نے بنائی ہے جو فون پر رہنمائی اور بعض جگہوں (لاہور میں) home service دے رہی ہیں ہیلپ لائن آپ کو یہ بھی بتاتی ہے کہ ہسپتال آنے کی ضرورت پڑے تو آپ کو کہاں جگہ مل سکتی ہے۔ملک گیر تنظیم الخدمت بھی اس سلسلے میں بہت کام کر رہی ہے اور ایمرجنسی سروس دے رہی ہے۔ایسے نمبر گھر میں موجود ہونے چاہئیں تا کہ ضرورت پڑنے پر دقت نہ ہو۔

اب تک کی تحقیق کے مطابق وائرس بڑی عمر کے لوگوں ، وہ لوگ جن کی قوت مدافعت کم ہو یا کسی اور بیماری کا شکار ہوں ۔انہیں زیادہ متاثر کرتا ہے۔

covid19 کی بیماری کیسے پھیلتی ہے؟

نظامِ تنفس کی کسی بھی بیماری کی طرح یہ بھی گلے اور ناک کی رطوبت سے پھیلتی ہے، جو مریض کے بات کرنے ، کھانسنے یا چھینکنے سے 6 فٹ کے فاصلے تک دوسروں تک پہنچ سکتی ہے اور منہ، ناک اور آنکھوں کے ذریعے جسم میں داخل ہو سکتی ہے۔اس کے علاوہ ہاتھوں سے بے جان چیزوں پر بھی منتقل ہو سکتی ہے۔

یہ وائرس پلاسٹک پر 3-2 دن، ٹین لیس سٹیل 3-2 دن اور کارڈ بورڈ پر ایک دن تک موجود رہ سکتا ہے۔اگر ان چیزوں پر وائرس موجود ہو اور ان کو چھونے کے بعد منہ، ناک یا آنکھوں کو ہاتھ لگایا جائے تو وائرس جسم میں منتقل ہو سکتا ہے۔

کیا یہ وائرس ہوا کے ذریعے دُور تک پھیل سکتا ہے؟ اس پر تحقیق جاری ہے۔خیال ہے کہ اگر تیز ہوا کا رخ ایسا ہو کہ وہ وائرس کو پھیلا سکے تو یہ ممکن ہے۔اس کے علاوہ ہسپتالوں میں جہاں مریضوں کو مصنوعی سانس دیا جا رہا ہو یا سانس کے لیے نالی لگائی یا نکالی جا رہی ہو، اس طرح کے عمل سے وائرس ہوا میں پھیل سکتا ہے اور کچھ دیر موجود رہ سکتا ہے۔اسی طرح ہسپتال کے فرش پر بھی وائرس پھیل سکتا ہے اس لیے بار بار senitization کی ضرورت پڑتی ہے۔

کورونا وائرس انسانی جسم میں کیا کرتا ہے؟

کورونا وائرس جسم میں 3 مراحل سے گزر سکتا ہے ابتدا میں یہ

وائرس ناک کے پچھلے حصے یا گلے کے اوپر والے حصے Nasopharynx میں ٹھہرتا ہے اور فلو کی طرح کی علامات، بخار، کھانسی، تھکاوٹ ظاہر ہوسکتی ہیں یا ظاہر نہیں ہوتیں۔ اگر انسانی جسم صحت مند ہو، قوت مدافعت درست کام کر رہی ہو تو یہ یہیں ختم ہوسکتا ہے۔

دوسرے مرحلے میں یہ سانس کی بڑی نالیوں میں پہنچتا ہے اور سانس میں دشواری شروع ہوسکتی ہے، قوت مدافعت کم ہو تو کچھ اور جراثیم یعنی بیکٹیریا بھی اس کے ساتھ مل جاتے ہیں اور بخار میں تیزی آسکتی ہے۔

تیسرے مرحلے پر یہ اس جگہ تک رسائی حاصل کرتا ہے جہاں سانس کی باریک ترین نالیاں اور Air sacs میں (اللہ کی صناعی کے نادر نمونے) سے آکسیجن باریک پردوں سے گزرتے ہوئے خون کی نالیوں میں شامل ہوتی ہے۔ (بلاشبہ ہمارا سانس لینا، بغیر کسی مشقت کے، بہت بڑا معجزہ ہے ۔ بہت بڑی نشانی اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی لطیف صناعی اور مہربانی ہے، جس کا ہم شکر ادا نہیں کر سکتے۔

اس مرحلے پر انسان کے خلیات ، وائرس کے خلاف جو جنگ کرتے ہیں ان سے ایسا مواد نکلتا ہے جو airsacs میں پھیل جاتا ہے۔ پہلے X ray میں سفید دھبے نظر آتے ہیں اور یکا یک پھیپھڑے میں سفیدی بھرنے لگتی ہے اور آکسیجن خون میں شامل نہیں ہو پاتی اس مرحلے سے پہلے ہی، علامات کی مدد سے آکسیجن انجذاب سے تشخص اور بروقت علاج کے ذریعے اور یقیناً اللہ کی مدد سے بیماری کی شدت کو روکا جا سکتا ہے ۔(یہ تیسرا مرحلہ اچانک اتنی تیزی سے شروع ہوسکتا ہے کہ علاج کرنے والوں کو بھی حیران کر دیتا ہے اور مریض تشویشناک حالت میں جا پہنچتا ہے)۔

اس مرحلے میں خون کی نالیوں میں توڑ پھوڑ ہوتی اور چھوٹے چھوٹے clot بننے لگتے ہیں۔ اس عجیب بیماری میں چونکہ مریض کی سانس میں دشواری کی کیفیت، مرض کی شدت کی نسبت کم ہوتی ہے اس لیے اگر ایسی علامات شروع ہوں تو ایک آلے کی مدد سے جسم میں آکسیجن کی مقدار کا تناسب دیکھا جاتا ہے جسے pulse oximeter کہتے ہیں۔ (اسے انگلی پر لگایا جاتا ہے 98 فیصد سے زیادہ آکسیجن تسلی بخش ہے 94 فیصد یا اس کم پر آکسیجن سلنڈر کی ضرورت پڑسکتی ہے اور 92 فیصد سے کم پر بہتر ہے کہ مریض ہسپتال میں عموماً آکسیجن کے استعمال سے بہتری آجاتی ہے۔) سینے کا ایکسرے بھی ابتدائی تشخیص میں ناکافی ہو تو ، سی ٹی سکین سے اصل صورتحال کا اندازہ کرنا پڑتا ہے۔

اہم بات یہ ہے کہ آخری مرحلے پر پہنچ کر دوبارہ صحت کی حالت میں آنا ایک دشوار عمل ہے جو اللہ کے لیے تو زیادہ مشکل نہیں مگر عالم اسباب میں (جو قوانین اللہ نے اس دنیا کے لیے مقرر کیے ہیں) ایسا ہونے کے امکانات کم ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ بہت ضروری ہے کہ بیماری کو ہونے سے روکا جائے۔ ہمارا دین ہمیں یہی سکھاتا ہے کہ ہم اپنی صحت کی حفاظت کریں، حفظانِ صحت کے اصولوں پر عمل کریں (اللہ کو طاقتور مومن پسند ہیں) اور اس کے لیے قوت مدافعت بڑھائے ، اللہ پر یقین کے ساتھ دعا کرنے اور بیماری کے پھیلاؤ کو روکنے کی تمام کوششیں شامل ہیں۔

شروع میں ہم نے بہت سا وقت افواہوں اور شکوک وشبہات کی نظر کر دیا پھر عید کے موقع پر لاک ڈاؤن کی نرمی سے غلط فائدہ اٹھایا، حالانکہ اس سے پہلے بہت سی چیزوں کے بغیر، بازار جائے بغیر، زندگی گھر والوں کے ساتھ اچھی گزر رہی تھی الحمدللہ۔ گھروں میں رہنے کے سکون کو محسوس کیا جا رہا تھا، رمضان کی عبادت اور قرآن پڑھنے اور سمجھنے میں بھی لطف زیادہ تھا۔ کچھ دنوں کی بدنظمی، بے صبری کے نتیجے میں کورونا کیسز اور اموات میں انتہائی تیزی آگئی۔ اگر اب بھی ہم سنبھل جائیں اور احتیاط کریں تو وبا پر قابو پایا جا سکتا ہے اللہ کے فضل اور رحمت سے (اب تو ہسپتال بھر چکے میں اور ڈاکٹرز تیزی سے مرض کی لپیٹ میں آرہے ہیں) اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا کہ جس نے ایک جان کو بچایا اس نے پوری انسانیت کو بچایا اور یہاں تو کئی قیمتی انسانی جانوں کا معاملہ ہے۔

موجودہ کورونا وائرس کے لیے کون سے ٹیسٹ ضروری ہیں

کووڈ 19 کی تشخیص کے لیے Antigen pcr test کرایا جاتا ہے۔ جس کے لیے ناک کے آخری حصے کے پیچھے گلے سے نمونہ لیا جاتا ہے۔ نمونہ لینے والے کا ماہر ہونا ضروری ہے۔ پھر بھی اس ٹیسٹ سے

60-75 فیصد بیماری کا پتہ چلایا جا سکتا ہے۔ باقی لوگوں میں بیماری ہوتے ہوئے بھی ٹیسٹ منفی آ سکتا ہے جس کی کئی وجوہات ہیں۔ سو اس صورت میں بھی قطعی طور پر وائرس کی غیر موجودگی کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ٹیسٹ علامات ظاہر ہونے سے 2 دن پہلے (یعنی incubation period) میں جب کہ وائرس جسم میں پہنچ جاتا ہے مگر ابھی علامات ظاہر نہیں ہوتیں) اور 7 دن بعد تک کیا جاتا ہے۔ بعض اوقات کئی ہفتے تک یہ ٹیسٹ مثبت رہتا ہے جبکہ بیماری کی علامات ختم ہو چکی ہوتی ہیں۔ اب یہ انفیکشن نہیں، بلکہ وائرس کے بچے کھچے ٹکڑوں کی وجہ سے ہے ٹیسٹ مثبت آنے کی صورت میں مریض کو باقی لوگوں سے علیحدہ رہنا چاہیے تا کہ انہیں یہ بیماری نہ لگے، اگر سہولت ہو تو یہ وقت گھر پر بھی با آسانی گزارا جا سکتا ہے، الا یہ کہ ہسپتال جانا ضروری ہو۔ اگر ٹیسٹ منفی ہو اور علامات کورونا کی ہوں تو دو تین دن تک دوبارہ ٹیسٹ کیا جاتا ہے۔ اگر علامات ظاہر ہوئے 10 دن ہو چکے ہوں تو PCR کے ساتھ Anti body ٹیسٹ بھی کیا جاتا ہے یہ ٹیسٹ 80 فیصد تک لوگوں میں بتاتا ہے کہ انہیں انفیکشن ہو چکی ہے۔ لیکن یہ اس بات کی یقین دہانی نہیں ہے کہ دوبارہ انفیکشن نہیں ہوگی اس لیے احتیاط اب بھی ضروری ہے۔

چنانچہ مرض کی علامات اگر کورونا کی طرف جا رہی ہوں تو دوسروں سے علیحدہ ہونا ضروری ہے خواہ ٹیسٹ منفی ہو۔

مرض کی شدت دیکھنے کے لیے ڈاکٹر ct chest,chest x ray D.Diners calcitonin serum ferritin کرا سکتے ہیں آیئے دیکھتے ہیں کہ کورونا وبا کی اس آزمائش میں ہمارے کرنے کے کام کیا ہیں۔

رجوع الی اللہ

اللہ کی پہچان، اللہ سے بہترین تعلق قائم کرنے کی کوشش، فرائض کی بہ احسن ادائیگی نوافل، صدقات، دعا جو عبادت کا مغز ہے۔ قرآنی اور مسنون دعائیں، اذکار، عافیت، حفاظت کی دعائیں، اللہ پر توکل کے ساتھ۔ اس یقین کے ساتھ کہ زندگی اور موت، صحت اور بیماری مکمل طور پر اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جو بظاہر بیماری کی آخری اسٹیج پر ہوتے ہیں اور صحت یاب ہو جاتے ہیں اور کتنے لوگ اچانک چلے بھی جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی حفاظت کرنے والے، عافیت دینے والے، پناہ دینے والے، نگہبان ہیں۔ اس وبا کے دوران دنیا میں مسلمان ڈاکٹرز کی خدمات کو بھی سراہا گیا۔ ایسی ہی ایک خاتون پاکستانی نژاد ڈاکٹر جو امریکہ کی ایک ریاست میں کووڈ کے آئی سی یو کی انچارج ہیں، اُن سے جب وہاں کے گورنر نے انٹرویو کیا اور ان کا شکریہ ادا کیا تو ان سے پوچھا کہ آئی سی یو کے مریضوں کی نگہداشت کرتے ہوئے آپ کا یہ رمضان تو بہت مشکل گزرا ہوگا تو انہوں نے کہا کہ یہ رمضان تو میرے لیے روحانی بالیدگی کا باعث بنا۔ جب میں اردگرد مریضوں کو دیکھتی تھی تو دل شکر کے جذبے سے لبریز ہو جاتا تھا کہ ہم اتنی آسانی سے اللہ کی مہربانی سے سانس لے رہے ہیں۔ یہ رمضان تو اللہ سے، قرآن سے زیادہ تعلق کا باعث بنا (الحمدللہ)۔

تدبیر

اسلام دین فطرت ہے۔ اس میں دین و دنیا کی کوئی تفریق نہیں ہے یہ توکل اور تدبیر کا خوبصورت امتزاج ہے۔ ہمارا دین ہمیں سکھاتا ہے کہ ہم اُونٹ باندھ کر توکل کریں۔

پیارے نبیؐ اور صحابہ کرامؓ کی پوری زندگی اس کی بہترین مثال ہے۔ بعد میں آنے والے اہل علم کی زندگیاں بھی اس کے مطابق تھیں۔ انہوں نے اللہ کی رضا کی خاطر، قرآن و سنت کی پیروی کرتے ہوئے دنیا میں بہترین طریقے سے اپنا کردار ادا کیا۔ مسلمانوں نے اس دور میں دنیا کی سب سے بڑی ریاست کی بنیاد رکھی اور اسے بہترین اصولوں (عدل و انصاف، سچائی و دیانت) پر چلایا۔ (آج ہمارے زوال کے اسباب میں ہماری سستی، بے تدبیری، غیر ذمہ دارانہ رویے شامل ہیں۔) جو مقصد زندگی سے غفلت کا نتیجہ ہیں۔

حضرت ابو یعلی شداد بن اوسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا:

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ہر کام خوش اسلوبی سے کرنے کا حکم دیا ہے''۔

مومن تو اللہ کی رضا کی خاطر اللہ کے بندوں کو فائدہ پہنچانے کے

لیے دنیاداروں سے زیادہ تندہی سے کام کرتا ہے۔

حضرت ابوسعید سعد بن مالک بن نسان خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا۔

''اسلام میں کسی کو نقصان اور تکلیف پہنچانے کی اجازت نہیں ہے''۔

چنانچہ دعا کے ساتھ احتیاطی تدابیر اختیار کرنا، اپنے آپ کو اور دوسروں کو نقصان سے بچانے کی کوشش کرنا، اپنی اور دوسروں کی صحت کی حفاظت کرنا بھی ہمارا دینی فریضہ ہے اور اللہ کی رضا کی نیت سے کرنے والے یہ کام بھی انشاءاللہ ہمارے لیے بہت اجر کا باعث بن سکتے ہیں۔

احتیاطی تدابیر

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو بے شمار قوتیں اور صلاحیتیں (اختیاری یا غیر اختیاری) عطا کی ہیں ان میں انسانی جسم کی قوت مدافعت، بیماری کے جراثیم کے خلاف انسان کی حفاظت کرتی ہے۔ صحت مند فرد ہوں یا بیمار، دونوں کے لیے بیماری سے بچاؤ یا بیماری کی شدت کو کم رکھنے کے لیے یہ قوت مدافعت بہت اہمیت کی حامل ہے۔

اس قدرتی قوت مدافعت کو مضبوطی دینے میں چند چیزیں بہت اہم ہیں۔

(۱) مناسب خوراک (۲) مناسب ورزش / سیر (۳) مثبت انداز فکر / پریشانی سے بچنا (۴) مناسب نیند۔

1۔ قرآن حکیم میں جس جس غذا کا ذکر ہے مثلاً زیتون، شہد، کھجور، انجیر اور طب نبویؐ میں جن غذاؤں کا ذکر ہے۔ یہ سب مناسب مقدار میں صحت اور قوت مدافعت کے لیے فائدہ مند ہیں۔

خوراک میں وٹامن اے، بی، سی، ڈی، فولک ایسڈ و زنک (zinc) قوت مدافعت کے لیے ضروری ہیں۔ جبکہ شوگر کا استعمال قوت مدافعت کو کم کرتا ہے اور یہ اثر جسم میں پانچ گھنٹے برقرار رہتا ہے۔

گوشت، انڈے، دودھ، پھل، مختلف سبزیاں سب ہماری غذائی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے مناسب مقدار میں ضروری ہیں۔

ریشہ دار غذا (fiber) اور prebiotics مثلاً کیلا، فلیکس سیڈ (السی کے بیج) بھی قوت مدافعت کو مضبوط کرتے ہیں۔ (تمام چیزیں مناسب مقدار میں ہوں)۔

zinc بغیر چھنے آٹے، دودھ، دہی، گوشت، بینز (beans)، خشک میوہ جات (بادام، اخروٹ) حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح vit-c سبزیوں، سرخ اور سبز مرچ، گوبھی، پالک، شلجم، آلو، ٹماٹر اور مختلف پھلوں، لیموں، مالٹا، امرود، پپیتہ، سٹرابری میں بھی کثرت سے پایا جاتا ہے vit-c کی کمی بھی قوت مدافعت کو کم کرتی ہے۔ دھوپ میں بیٹھنا ممکن نہ ہو تو اس کے supplement ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق استعمال کیے جا سکتے ہیں۔

شہد، کلونجی میں بھی شفا ہے، دار چینی، ادرک، پودینہ کے ساتھ سبز قہوہ بھی صحت مند افراد اور بیمار افراد سب کے لیے مفید ہے۔

2۔ ہلکی پھلکی ورزش اور سیر خصوصاً صبح کے وقت، جسمانی، ذہنی، روحانی صحت کے لیے ضروری ہے اور قوت مدافعت کو بڑھاتی ہے۔

3۔ قلبی اطمینان اور سکون خوش رہنا اور خوش رکھنا، محبت کا اظہار، دل صاف رکھنا، مسکرانا (صدقہ ہے) خوشدلی سے ملنا، معاف کرنا، حوصلہ افزائی کرنا، یہ سب رویے مسنون ہیں اور جسمانی، روحانی، ذہنی، سماجی صحت کے لیے ضروری ہیں۔ (اور دلوں کو سکون اور اطمینان تو اللہ کی یاد سے ہی ملتا ہے)۔ ویسے بھی مسلمان نہ تو مایوس ہوتا ہے، نہ اس کے لیے خوف اور غم ہے۔ بس اللہ کی ناراضگی سے ڈرتا ہے۔

4۔ مناسب نیند اور آرام بھی ضروری ہے

5۔ دن میں دو بار بھاپ لینا بھی مفید ہے۔ گلا تر اور صاف رکھیں۔

6۔ ممکن ہو تو دیسی مرغی کی یخنی لیں۔

صحت کا صفائی سے گہرا تعلق ہے

- ہاتھوں کو بار بار صابن سے بیس سیکنڈ تک دھونے سے جراثیم سے پاک کیا جا سکتا ہے، اس طرح کہ ہاتھوں کی تمام سطحیں اچھی طرح صاف ہو جائیں۔
- کھانے سے پہلے، کھانے کے بعد، ضروریات سے فراغت پر

ہاتھ دھونا مسنون ہے، باہر سے گھر داخل ہوکر، نوٹوں کو چھونے کے بعد بیرونی دروازے کے ہینڈل چھونے کے بعد خصوصاً ہاتھ دھونا چاہیے۔

• وضو میں ناک اور گلے کو اچھی طرح صاف کیا جائے۔ دانتوں کی صفائی کا خیال رکھا جائے ہر بار کھانے کے بعد کلی کرنا، دانت صاف کرنا، کپڑوں کی صفائی ہفتہ وار ناخن تراشنا، غسل کا اہتمام کرنا، جسم کو جراثیموں سے پاک کرتا ہے۔

• نیم گرم پانی اور نمک سے غرارے، حلق کی صفائی کے لیے مفید ہیں۔

• ٹھنڈے پانی سے پرہیز بھی ضروری ہے۔

ماحول کی صفائی

• بیماری سے بچنے کے لیے ماحول کی صفائی بھی ضروری ہے۔

• گھر سے بغیر شدید ضرورت کے نہ نکلیں۔

• گھروں کو جراثیم کش محلول سے فرش اور ہینڈل وغیرہ صاف کریں۔

• دن میں کچھ دیر کھڑکیاں کھولیں تاکہ ہوا کا دوران صحیح رہے

• گھر کے سامان کو بھی صاف ستھرا رکھیں۔

• گھر میں باہر سے آتے ہوئے ہاتھ دھونا senitize کرنا۔

سماجی فاصلہ

• اس کا مقصد بھی ماحول کو جراثیم سے پاک رکھنا ہے۔

• چنانچہ گلے اور ناک کی رطوبت 6 فٹ تک فاصلے طے کرسکتی ہے اس لیے گھر سے باہر ماسک کا استعمال، گھر میں احتیاط، چھینکتے ہوئے یا کھانستے ہوئے منہ کے سامنے ہاتھ یا کہنی کا رکھنا، ضروری میل جول میں بھی فاصلہ رکھنا اور ماسک کا استعمال کرنا ضروری ہے۔

انفرادی حفاظتی سامان ppe عام استعمال کے لیے ماسک اور گلووز باہر جاتے ہوئے اگر گھر میں کووڈ 19 کے مریض ہوں تو ان کی نگہداشت کے وقت حفاظتی لباس اور N-95 ماسک کا استعمال جو پوری طرح منہ کو ڈھانپ لیتا ہے اور سانس کے لیے براہ راست سامنے کی ہوا استعمال نہیں ہوتی۔ ماسک جو ایک دفعہ استعمال کے لیے ہوں، انہیں بار بار استعمال نہ کریں۔ ٹشو استعمال کے بعد پھینک دیں۔ N-95 بھی 40 گھنٹے سے زیادہ استعمال نہ کریں باہر سے آتے ہوئے جوتے اور لباس تبدیل کرلیں۔

• گھر میں زیادہ آمدورفت نہ رکھیں۔

• بیمار شخص کی دوسروں سے علیحدگی isolation (اگر pcr مثبت ہو) شروع میں ایسے تمام لوگ جن کا pcr ٹیسٹ مثبت تھا انہیں گھروں سے لے جا کر ہسپتال میں یا اس سے ملحق عمارتوں میں رکھا گیا۔ اس سے لوگوں کو مشکلات بھی ہوئیں اور پریشانی بھی۔ اب جبکہ ہسپتالوں میں جگہ بھی نہیں ہے تو گھروں میں آئسولیشن کی جارہی ہے جب تک کہ مریض کے لیے ہسپتال جانا ضروری ہو۔ ڈاکٹرز کی ہدایات کے مطابق گھروں میں علاج بھی کیا جارہا ہے اور ایک حد تک آکسیجن بھی فراہم کی جارہی ہے۔ اس کے باوجود اگر مرض کی شدت میں کمی نہ ہو، آکسیجن کی مقدار کم رہے تو ہسپتال جانا ناگزیر ہے۔

• گھر میں آئسولیشن مریض کے لیے زیادہ ذہنی سکون، آرام اور غذا کی فراہمی کے لحاظ سے بھی بہتر ہے اس کے لیے کچھ عمومی ہدایات ہیں اگر یہ سہولت نہ ہوں مریض چاہے تو وہ ہسپتال جاسکتا ہے۔

• مریض کا کمرہ علیحدہ ہو اور ملحقہ غسلخانہ ہو۔

• مریض کے کمرے کے باہر کوئی میز رکھ دی جائے جس پر کھانا رکھا ہو جسے وہ لے لے۔ disposable پلیٹس بھی استعمال کی جاسکتی ہیں اور استعمال شدہ برتنوں کو اچھی طرح دھویا بھی جاسکتا ہے۔

• مریض کا ٹمپریچر دن میں دو دفعہ دیکھا جائے۔ ضرورتاً پینا ڈول دی جاسکتی ہے۔

• pulse oximeter موجود ہو تاکہ آکسیجن کی مقدار دیکھی جاسکے۔

• مناسب خوراک، پانی زیادہ اور مناسب ورزش جاری رکھیں۔

• مریض بھی رابطہ کی صورت میں N-95 ماسک استعمال کرے، مریض کو تسلی دیں۔ لاباس طھور ان شا اللہ۔

• کورونا کی تشخیص کے ساتھ ماں اپنے بچے کو دودھ پلاسکتی ہے بشرطیکہ تمام احتیاطی تدابیر ملحوظ رکھے۔

• یہ فرصت کے لمحات غنیمت ہیں، جن میں اپنے اللہ سے تعلق بڑھانے، اپنے آپ سے باتیں کرنے، پہچاننے، غور وفکر کرنے، محاسبہ کرنے، مطالعہ قرآن، حدیث، سیرت، دعا، اذکار، نوافل کا بہترین موقع ہے۔ (اعتکاف کی طرح)۔ سورہ رحمٰن یا قرآن کی دوسری صورتوں کی تلاوت، ترجمہ، تفسیر سنی جاسکتی ہے۔

• مناسب آرام کا بھی وقت مل سکتا ہے۔

• اپنی کسی عادت پر غور کرنے اور اچھی عادات اپنانے کی بھی پلاننگ ہوسکتی ہے۔

• نماز کی بروقت اور بہتر ادائیگی کی کوشش ہوسکتی ہے۔

14 دن بعد انفیکشن کے اثرات ختم ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ آئسولیشن ختم کی جاسکتی ہے مگر ضروری ہے کہ بقیہ تمام احتیاطیں لازماً جاری رکھیں۔ البتہ طبی عملے کے لیے ضروری ہے کہ ہسپتال جانے سے پہلے ان کے 2 کورونا ٹیسٹ منفی ہوں۔ دیکھا گیا ہے کہ اگر مریض ماسک استعمال کرے تو بیماری پھیلنے کا تناسب بہت کم ہوجاتا ہے اور دوسرے افراد نے بھی ماسک پہنا ہو تو اور بھی کم ہوجاتا ہے۔

(اس لیے یہ ضروری ہے کہ کسی بھی اور وجہ سے اگر ڈاکٹر کے پاس معائنے کے لیے جانا ہو تو ماسک پہن کر جائیں کیونکہ 80 فیصد لوگوں میں علامات نہیں ہوتیں۔ اس طرح ہم طبی عملے کو بیماری سے بچا سکتے ہیں۔ جو اپنی اور اپنے گھر والوں کے Risk پر بھی خدمت کے جذبے سے کام کر رہے ہیں)۔ وبا چونکہ عام ہے اس لیے اصولاً یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ بیماری کسی کو بھی ہوسکتی ہے اس لیے ہمیں احتیاط کرنی ہے، خود بھی بچنا ہے اور دوسروں کو بھی بچانا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد سے۔

بیماری کو پھیلنے کے لیے جراثیم کی ایک خاص مقدار viral load کی ضرورت ہوتی ہے مثلاً کووڈ 19 کے لیے 1000 وائرل پارٹیکلز، سانس لینے میں 20 ایسے ذرات ایک منٹ میں خارج ہوتے ہیں بولنے میں 200 اور کھانسنے اور چھینکنے میں 200 ملین۔ اگر جگہ تنگ ہے، ہوا کی آمد و رفت نہیں تو یہ ذرات گھنٹوں معلق رہ سکتے ہیں۔ بند جگہوں مثلاً اداروں، ریسٹورنٹس میں یہ رسک بڑھ جاتا ہے۔ ماسک پہننے سے رسک کم ہوگا مگر بند جگہوں پر زیادہ لوگوں میں رہے گا۔ مشہور حدیث میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ جہاں وبا پھیلی ہو وہاں سے باہر نہ جاؤ اور باہر سے اس جگہ نہ جاؤ جہاں وبا پھیلی ہو۔ اس پر عمل کرتے ہوئے حضرت عمرؓ کے ایک سپہ سالار صحابیؓ نے وبا کے علاقے سے آنے کے حکم پر عمل نہ کیا کہ حضورؐ کا یہ فرمان سامنے تھا۔

آج سے 14 سو سال سے زیادہ عرصہ پہلے پیارے نبیؐ نے ہمیں چھینکنے، کھانسنے کے جو اسلامی آداب سکھائے جبکہ دنیا میں بیماری اور اس کے پھیلاؤ کے بارے میں معلومات بہت کم تھیں جہاں تک ادویات کا تعلق ہے، وہ ڈاکٹرز کی ہدایت کے بغیر استعمال نہ کریں کہ اب تحقیق جاری ہے اور نئے حقائق سامنے آرہے ہیں۔ دواؤں کے side effet اور اچھے اثرات کا موازنہ بھی ڈاکٹر ہی کرسکتے ہیں۔

خدمت

کورونا کی اس وبا میں لوگ مختلف قسم کے مسائل کا شکار ہوئے، جس میں ذہنی پریشانی، صحت کی پریشانی، مالی پریشانی، اپنوں سے دوری شامل ہیں۔ ایسے میں بہت سے لوگ خدمت کے جذبے سے اٹھے اور ایک دوسرے کو پرسکون رہنے کی تلقین کی۔ رشتہ داروں، ہمسایوں، ضرورت مند لوگوں کی تلاش کر کے خاموشی سے ان کی مدد کی۔ اللہ تعالیٰ اس طرح کچھ لوگوں کے ذریعے کچھ لوگوں کو آزماتے ہیں اور خلوص سے کی گئی ان کوششوں کے بہترین قدردان ہیں، اپنی ضرورتوں کو محدود کر کے سادگی اپنا کر، اس کام کو جاری رکھنے کی ضرورت ہے۔ اس وبا کے بعد بھی جب تک ہمارا معاشرہ واقعی ایک اسلامی معاشرہ نہ بن جائے جہاں ہر ایک کی بنیادی ضرورت پوری ہو۔ کوئی بھوکا نہ ہو، کسی کو دوائی کے حصول میں مشکل نہ ہو، کسی کو تعلیم کے اخراجات کی پریشانی نہ ہو۔

اس دوران جن لوگوں نے سادگی سے طے شدہ تاریخوں پر بیٹیوں کو رخصت کیا، اس سے معاشرے میں ایک نئی روایت ڈالی جاسکتی ہے اور لاکھوں روپیہ، خدمت کے ان کاموں پر خرچ ہوسکتا ہے۔

لاک ڈاؤن میں لوگوں نے اپنے ان مظلوم بہن بھائیوں کے دکھ کو بھی کچھ محسوس کیا جو اس سے کئی گنا زیادہ خوف اور خطرے کی فضا میں گھروں میں بند ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرمائیں اور ہمیں ان کے لیے سچا خلوص اور درد عطا فرمائیں۔

احتساب

آخری بات یہ کہ کرونا کی یہ حالیہ وبا جس نے ساری دنیا کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے ہمیں انفرادی اور اجتماعی احتساب کی دعوت دے رہی ہے۔ وہ کون سی باتیں ہیں جن پر قوموں پر اللہ کی پکڑ آتی ہے۔ کہیں اللہ تعالیٰ ہم سے ناراض تو نہیں؟ ہماری انفرادی اور اجتماعی بحیثیت پاکستانی، بحیثیت امت کون سی غلطیاں ایسی ہوسکتی ہیں، جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہم سے ناراض ہوں؟ ہمیں سچی توبہ کرنی ہے جس کے لیے غلطیوں کے ادراک، احساس ندامت، تلافی کی بھرپور کوشش کی ضرورت ہے، پھر اللہ تو غفور الرحیم ہے (ہم نے تو ہر اس چیز کی قیمت بڑھادی جس کی مانگ بڑھی۔ نہ ہمارے میڈیا نے رویہ بدلا) ہماری عمومی زندگی مشین کی طرح دوڑ رہی تھی، اللہ تعالیٰ نے ہمیں رک کر سوچنے کا، غور کرنے کا موقع دیا ہے۔ یہ دنیا تو فانی ہے، یہاں آنے کی ترتیب ہے، جانے کی نہیں، تو اپنی آخرت کے لیے سرمایہ اکٹھا کرو۔ ہجوم نہیں، قوم بنو، اپنے مقام کو پہچانو، تم کیا تھے؟ کیا ہو اللہ تمہیں کیا مقام دینا چاہتے ہیں۔ اپنے آپ کو اپنے خالق کو پہچانو، حق ادا کرنے کی کوشش کرو پیدا کرنے والے کا اور اس کے بندوں کا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس وبا سے نجات دلائیں پوری انسانیت کو۔ ہمیں سچے مومن بن کر اپنے فرائض پہچاننے کی توفیق دیں ہماری زندگی مثبت رُخ پر رواں ہو اور سب سے راضی ہوں آمین۔

چنانچہ احتیاط کریں، دعا کریں، مطمئن رہیں، خوشیاں بانٹیں، اللہ سے جڑ جائیں اور لوگوں کو جوڑیں۔ خاص طور پر طبی عملے کے ہراول دستے کے لیے بھی دعا کریں جو اس جنگ میں صف اول میں کھڑے ہیں اور اپنی جانوں کو خطرے میں ڈال کر ہمیں بچا رہے ہیں۔ ان کی خاطر اپنی اور اپنے گھر والوں کی خاطر، احتیاط کریں اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیں اور اس طرح اپنا حصہ بھی ڈالیں تاکہ ہم ایک باشعور، صحت مند مسلمان قوم کی مثال بن سکیں۔

پیامہیلپ لائن کے نمبر

صبح 9 سے دوپہر ایک بجے تک 03155550911

دوپہر 1 سے شام 5 بجے 03166660912

شام 5 سے رات 9 بجے تک 03177770913

☆.....☆.....☆

حمیرا بنت فرید

مداوا

شادی کے پہلے ہفتے ہی روحی کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اس شخص کے ساتھ زندگی گزرے گی نہیں بلکہ گزارنی پڑے گی۔ اس نے اپنی ماں کو بھی ایسے ہی ماحول میں زندگی سے سمجھوتہ کرتے دیکھا تھا۔ روحی کے باپ، چاچا سب ایسے قبیلے سے تعلق رکھتے تھے جنہوں نے اسکول تو کیا مدرسے کی بھی کبھی شکل نہ دیکھی تھی۔ روحی کی ماں نے ابتدائی تعلیم حاصل کی ہوئی تھی۔ اس کی یہی خواہش تھی کہ اس کے بچے تھوڑا بہت پڑھ لکھ کر مہذب زندگی گزاریں۔ اس نے نامساعد حالات اور مخالفت کے باوجود اپنے بچوں کو تعلیم دلوانے کی کوشش کی۔

روحی نے اپنی محنت اور لگن سے جب دسویں کا امتحان پاس کیا تو اس کی ماں کو ایک امید تھی کہ شاید کوئی پڑھا لکھا رشتہ مل جائے لیکن جب چھوٹی بہنیں تیزی سے جوانی کی طرف قدم بڑھا رہی ہوں تو ایسے بابو کا انتظار محال تھا۔ سو جو رشتہ معقول لگا فوراً ہاں کر کے اس بوجھ کو سر سے اتارنے کی تیاریاں شروع کر دی گئیں۔

روحی کوئی سہانے سپنے سجائے سسرال نہیں آئی تھی لیکن ماں کی آس نے امید کا ایک ننھا سا بیج اس کے دل میں بو دیا تھا لیکن کونپل پھوٹنے سے پہلے ہی روحی نے اس کی آبیاری کا ارادہ ترک کر دیا۔

اسلم، روحی کا شوہر نہ صرف بدزبان بلکہ انتہائی شکی مزاج انسان تھا جسے روحی نے قسمت کا لکھا سمجھ کر قبول کر لیا تھا۔ ایک اچھی بیوی کی طرح اس کی خدمت کرتی پھر بھی صبح شام اس کی جھڑکیاں کھاتی۔ روحی کی چھوٹی بہن کے یہاں ننھے مہمان کی آمد تھی۔ منا سا سوئیٹر بُنتے بُنتے نہ جانے روحی کن خیالوں میں کھو گئی۔ بس یہ سوچیں ہی تھیں جن میں گم ہو کر چند لمحوں کا سکون حاصل کر لیتی تھی۔

''کمبخت نہ جانے کس کے خیال میں کھوئی رہتی ہے۔ کتنی دیر سے گھر آیا بیٹھا ہوں۔ پر سالی تجھے فرصت نہیں کہ پانی کا بھی پوچھ لے؟'' اسلم روحی کی چوٹی کھینچتے ہوئے چلایا۔ روحی اپنے باپ کا بھی یہی رویہ دیکھنے کی عادی تھی لیکن جانے کیوں اسلم کے اس رویے سے اس کے دل میں ایک ہوک سی اٹھتی ضرور تھی۔

☆.....☆.....☆

''پراٹھے میں کتنا تیز نمک ڈالا ہے۔ ہڈحرام! کام تو اس سے ڈھنگ سے ہوتا ہی نہیں''۔ اسلم نے پلیٹ پٹختے ہوئے کہا ''دروازہ بند کر لے میں دیر سے گھر آؤں گا''۔ کندھے پر چادر ڈال کر باہر نکلتے ہوئے اسلم بولا۔

روحی سارا دن گھر کے کام کاج، ساس سسر کی خدمت کے باوجود گھر والوں کے طعنے برداشت کرتی۔ اس کو اگر شوہر کی طرف سے عزت ملتی تو وہ ہنسی خوشی یونہی زندگی گزار لیتی پر اسلم کا رویہ روز بروز بگڑتا ہی چلا جا رہا تھا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ اولاد سے محرومی تھی۔ شادی کے دو سال بعد بھی روحی کی گود ہری نہ ہو سکی تھی۔ یہ کوئی ایسا لمبا عرصہ نہ تھا لیکن اٹھتے بیٹھتے اس کا احساس دلائے جانے پر روحی اندر ہی اندر گھل رہی تھی۔ ہر نیا آنے والا دن اس کو اس ادھورے پن کا شدت سے احساس دلاتا۔

''ہاں روحی بانجھ ہے۔ میرے بیٹے کی زندگی برباد کر رہی ہے۔ کوئی اچھی لڑکی ہو نظر میں تو ضرور بتانا''۔ پڑوسن سے چپکے چپکے ہونے والی سرگوشیاں اب با آواز بلند اس کو سنائی جاتیں۔ ساس کی کڑوی کسیلی میں بتدریج اضافہ اس بات کا ثبوت تھا کہ نئی بہو تلاش کر لی گئی ہے۔ روحی کو زچ کر کے اس کو گھر سے نکل جانے پر مجبور کیا جا رہا تھا۔ بات صرف زبان کی حد تک ہوتی تو شاید بات پھر بھی بنی رہتی لیکن کچھ عرصے سے اسلم کا ہاتھ بھی اٹھنے لگا تھا۔ سسر نے ابتدا میں دبے دبے لفظوں میں سمجھانا چاہا

لیکن ساس نے اسلم کو اس بات پر کبھی نہ ٹوکا۔

رات کی مار کا زخم ابھی دل پر تازہ ہی تھا۔ روحی صبح ہونٹ بھینچے اسلم کے کپڑوں پر استری کر رہی تھی۔ جانے بجلی کے وولٹیج کی کارستانی تھی ،استری کی شرارت یا اس کی اپنی کوتاہی۔ اسلم کی نئی قمیض پر پہلے سیاہ داغ نمودار ہوا جو ایک گول کھوکھلے دائرے کی صورت میں پھیلتا چلا گیا۔

''حرام زادی! کوئی فائدہ نہیں کر سکتی تو کم از کم نقصان تو نہ کر'' اسلم کا غصہ ساتویں آسمان پر تھا۔ رات کا غبار ابھی اترا نہ تھا۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، استری اٹھا کر روحی کے گال پر لگا دی۔

ایک دردناک چیخ روحی کے حلق سے نکلتی ہوئی، دیواروں سے ٹکرا کر لوٹ آئی۔ لیکن سخت دل اسلم پر کوئی اثر نہ کر سکی۔

''ہوش میں آؤ اسلم! کیا پاگل ہو گیا ہے؟'' سسر بمشکل گھسٹتا ہوا اسلم کی طرف لپکا اور اس کے ہاتھ سے استری کھینچتے ہوئے چلایا۔ لیکن جب تک نا قابل تلافی نقصان ہو چکا تھا۔ ہسپتال سے ماں کے گھر آنے تک روحی سسکتی رہی۔ چہرے کی تکلیف سے زیادہ دل میں اٹھنے والی ٹیسیں نا قابل برداشت ہو چکی تھیں۔

☆.....☆.....☆

خلع کے بعد عدت گزارنے تک روحی نے اس سانحہ کو بھلانے کی کوشش کی لیکن چہرے پر ثبت بدنما داغ اس کے دل کے زخم پھر ہرے کر دیتا۔ ماضی کی تلخ یادوں سے بچنے اور اپنے آپ کو مصروف رکھنے کے لیے روحی نے جلد ہی نوکری کی تلاش شروع کر دی لیکن ہر بار اس کا بدنما چہرہ آڑے آجاتا۔ حالات سے بمشکل سمجھوتہ کرنے والی روحی، پھر اندر سے ٹوٹ جاتی۔ اس کی کوششیں بحر حال رنگ لائیں اور وہ نوکری حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ گارمنٹس فیکٹری میں اس کا دل لگ گیا تھا۔ اسے یہاں ہمدرد دوست شازیہ مل گئی تھی جس نے روحی کو جینے کا نیا حوصلہ دیا تھا۔ شازیہ اسلم کے محلے میں رہتی تھی۔ اسے روحی پر گزرنے والے سانحے کا علم تھا۔

''اظہر صاحب فیکٹری کے مالک، اپنے ورکرز کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ وقت پر سب کو تنخواہ دے دی جاتی ہے۔ منیجر البتہ تھوڑے سخت ہیں۔ غلط کام اور چھٹیاں ان سے برداشت نہیں ہوتیں۔ فیکٹری کے سپرنٹنڈنٹ اکبر صاحب بہت اچھے انسان ہیں۔ یہ کافی عرصے سے یہیں کام کرتے ہیں۔ بے چارے نہ جانے کس تکلیف میں مبتلا ہو کر بتدریج اپنی بینائی کھو بیٹھے''۔

''چچ، بے چارے''۔ شازیہ نے ہمدردی سے کالی عینک لگائے خاموشی سے اپنے کام میں مصروف شخص کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''اور یہ سیما ہیں، یہ ریشما اور یہ آسیہ''۔

شازیہ نے فیکٹری کے لوگوں کا تعارف کرواتے ہوئے مختصراً بتایا۔

اپنے چہرے کو نقاب میں چھپائے روحی جلد ہی سب سے گھل مل گئی۔ داغ اب زندگی کے ساتھ تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے جینا سیکھ لیا تھا۔ شازیہ کے ذریعے ہی روحی کو اسلم کے حالات کا بھی علم ہو گیا تھا۔

''تمہارے بعد اس گھر نے کوئی خوشی نہیں دیکھی۔ جمیلہ (اسلم کی دوسری بیوی) تین مہینے بعد ہی ان لوگوں کے ہتک آمیز رویے سے تنگ آ کر خود ہی چلی گئی۔ تمہارے سسر بھی کچھ عرصے بعد فوت ہو گئے۔ اسلم نے تیسرا نکاح کر لیا ہے۔ پھر بھی اولاد کی نعمت سے محروم ہے۔ اس کی یہ بیوی بہت تیز طرار ہے۔ اسلم اور اس کی ماں کی اس کے آگے ایک نہیں چلتی''۔ شازیہ نے روحی کو آگاہ کیا۔

مکافات عمل! روحی سوچ کر رہ گئی

☆.....☆.....☆

''دیکھو روحی آنٹی کے انتقال کے بعد تم بالکل اکیلی رہ گئی ہو۔ بھائی، بہن بے شک تمہارا خیال رکھتے ہیں لیکن آخر کب تک؟ ان کو اپنی زندگی، اپنی مصروفیات، اپنے بال بچے ہیں۔ ابھی لمبی عمر پڑی ہے۔ کب تک تنہا زندگی گزارو گی؟ اکبر صاحب کی بیگم ان کی معذوری کی وجہ سے ان کا ساتھ چھوڑ گئیں۔ انہیں بھی ایک ہمدرد ساتھی کی ضرورت ہے۔ تم دونوں دکھی ہو اور بہتر طور پر ایک دوسرے کے دکھ کا مداوا کر سکتے ہو۔ وہ ایک بہت اچھے انسان ہیں۔ تمہیں خوش رکھیں گے۔ جو میں تمہیں سمجھانا چاہ رہی ہوں، اس پر غور ضرور کرنا۔ بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا میری

دوست''۔

شازیہ کے الفاظ اس کے کانوں میں گونجتے رہے۔اس نے تو ایسا کبھی سوچا ہی نہ تھا۔دل کہتا تھا کہ شازیہ ٹھیک کہہ رہی ہے پر دماغ اس کے خلاف کئی تاویلیں دینے لگتا۔اس بدنما چہرے کے زخم کے ساتھ اسے کوئی اور کبھی قبول نہیں کرے گا سوائے اس کے جس کے لیے یہ داغ کوئی معنی نہ رکھتا ہو۔دل کے زخم کا مداوا وہی کر سکتا تھا جس کا اپنا دل بھی زخمی ہو۔ایک دوسرے کے زخموں پر مرہم رکھ کر وہ ایک بہتر زندگی کا آغاز کر سکتے تھے۔

بہت سوچ بچار کے بعد آخر روحی نے اکبر صاحب کے حق میں فیصلہ دے دیا۔وقت نے یہ ثابت کیا کہ روحی کا فیصلہ غلط نہ تھا۔اکبر ایک اچھے انسان تو تھے ہی انہوں نے ایک بہترین شوہر بھی ثابت کر کے دکھایا۔روحی نے سوچا بھی نہ تھا کہ اس کو صبر کا ایسا پھل ملے گا۔

''میں بتا نہیں سکتی روحی۔تم دونوں کو خوش و مطمئن دیکھ کر مجھے کتنا دلی سکون ملتا ہے''۔شازیہ کہتی تو روحی اسے صرف شکر آمیز نظروں سے دیکھ کر رہ جاتی دونوں اکثر فون پر ایک دوسرے کی خیر خیریت معلوم کرتی رہتیں۔

☆.....☆.....☆

کئی دنوں سے روحی سے بات نہیں ہو سکی تھی۔شازیہ نے دو،تین مرتبہ فون ملایا پر جواب موصول نہ ہوا۔شازیہ کافی فکرمند تھی۔اس دن اکبر صاحب بھی فیکٹری نہیں آئے۔''نہ جانے کیا بات ہے۔آج انشاءاللہ روحی کے گھر جا کر اس کی خیریت معلوم کروں گی''۔شازیہ نے سوچا۔

شام کو فیکٹری سے وہ سیدھی روحی کے گھر پہنچی۔

''ارے شازیہ تم!'' روحی کے چہرے پر اس کو دیکھ کر ہی رونق آ گئی۔

''ہاں۔کہاں ہو تم؟ نہ خود فون کیا،نہ میری کال اٹھائی۔اکبر بھائی بھی آج فیکٹری نہیں آئے۔کہیں گئی ہوئی تھیں؟ سب خیریت ہے نا؟''

''ہاں،فون خراب ہے۔ہسپتال گئی ہوئی تھی''۔

''کیوں؟ کیسی طبیعت ہے۔تم مجھے کچھ کمزور نظر آ رہی ہو''۔

شازیہ نے فکرمند ہوتے استفسار کیا۔

''ہاں اللہ کا کرم ہے''۔

روحی نے مسکراتے،کچھ شرماتے ہوئے اپنی رپورٹ شازیہ کے سامنے کر دی جہاں لفظ ''پوزیٹو'' کا عکس روحی کی آنکھوں میں جگمگا رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

بنت شیروانی

تلاش

صبح سے ہر شخص بولایا بولایا پھر رہا تھا۔گھر میں عجب عالم تھا۔ افراتفری تھی تو کہیں بے چینی تھی۔خاتون خانہ سمیت تمام بچے گھر کا کونا کونا صاف کر چکے تھے۔کبھی میز کرسیوں کو اپنی جگہ سے ہلایا جاتا اور پیچھے سے آواز آتی کہ جب ہلایا ہی ہے تو ساتھ ہی اس کے نیچے جھاڑو بھی ماردو تا کہ ان کے نیچے کی گرد بھی صاف ہو سکے۔

کہیں الماریوں کو خالی کیا جاتا کہ گھر کا تین سالہ بچہ الماری میں گُھس کر بیٹھ جاتا تھا اور موبائل پر گیم کھیلتا تھا۔اور جب اسے خالی کیا گیا تو خاتون خانہ نے کہا اب اس کی شکل نکالی جائے اور پھر چیزیں قرینہ سے رکھی جائیں۔اور انھیں خالی کرنے والا فرد خوش بھی ہوتا کہ اس میں بچے اخبار کے نیچے سے رکھے پیسے بھی مل رہے تھے اور وہ فرد انھیں اپنا حق سمجھ رہا تھا۔

کوئی گھر کی درازوں کو اُلٹ پلٹ رہا تھا اور پھر پیچھے سے آواز آرہی تھی کہ جب الٹ پلٹ کیا ہی ہے تو ''اب اس میں موجود چیزوں کو ترتیب سے رکھ دیا جائے''۔تو ساتھ ہی کوئی میلے کپڑوں کی باسکٹ کو الٹ پلٹ کر رہا تھا۔کہ ایک ایک کپڑا جھاڑ دے۔غرض یہ کہ اس وقت گھر کا کوئی فرد بھی ایسا نہ تھا جو فارغ ہو اور بے چین نہ ہو۔خاتون خانہ اسٹول لے کر فرج کے اوپر چیزیں ترتیب سے رکھ رہی تھیں تو ساتھ ہی زبان سے انا للّٰہ وانا الیہ راجعون ورد جاری کیے ہوئے تھیں۔صاحب خانہ بھی جنھیں دفتر سے دیر ہو رہی تھی لیکن ادھر سے اُدھر ٹہلے جا رہے تھے اور انتہائی جھنجلائے ہوئے تھے۔کبھی کہتے کہ آج تو دفتر جانے کا کوئی فائدہ ہی نہیں دیر سے جانے پر تنخواہ کٹے گی۔لیکن مزید دیر سے دیر کیے جا رہے تھے اور چاہتے تھے کہ گھر والوں کے ساتھ اپنا حصہ بھی کچھ ڈال دیں چاہے وہ کسی کو ڈانٹ کر یا مزید جگہوں کا بتا کر کہ یہاں اور یہاں بھی ڈھونڈا کہ نہیں۔یا خود بھی صوفوں کے درمیان میں ڈھونڈتے جا رہے تھے۔

دراصل ہوا یہ تھا کہ موبائل کو چارج کرنے والا ایک عدد ''تار'' نہیں مل رہا تھا۔یو ایس بی پلگ تو موجود تھا لیکن خالی اس کا ہونا فائدہ مند نہیں تھا۔اور خاتون خانہ کے موبائل کی چارجنگ صرف دس فیصد رہ گئی تھی۔جبکہ آج رات کو صاحب خانہ کی بہن کا رات کے کھانے پر آنے کا ارادہ تھا۔لیکن ابھی اس بات کی تصدیق نہیں ہوئی تھی۔دو گھنٹے بعد انھوں نے بتانا تھا۔اور صاحب خانہ کی خواہش تھی کہ اُن کی بہن ان کی بیگم کے ہاتھ کے بنے ''پائے'' کھائیں۔تو اس کے لیے اُن کی بیگم کا موبائل چارج ہونا انتہائی ضروری تھا کہ جس کے ذریعہ وہ یہ بات جان سکیں کہ ان کی نند تشریف لائیں گی کہ نہیں۔

دوسری طرف ان کی بارہ سالہ بیٹی اپنی پھوپو کو پائن ایپل صوفلہ بنا کر کھلانا چاہتی تھی۔جس کے لیے اسے یوٹیوب سے ترکیب دیکھنی تھی۔ دس سالہ بیٹے کو ٹیوٹر پر اپنے دوستوں کے ساتھ ٹرینڈ چلانا تھا کہ ''کچرا ہمیشہ کچرے دان میں ڈالیں''۔

آٹھ سالہ بیٹی کو مائکروسوفٹ ٹیمز پر اپنا ہوم ورک کرنا تھا۔اور پانچ سالہ بیٹے کی ''زوم'' پر کلاس تھی۔جبکہ ان خاتون خانہ کو آئی ایم او پر اپنی بہن سے ضروری بات کرنا تھی۔

تمام افراد کو اپنی اپنی فکر لگی ہوئی تھی۔لگتا کہ اگر یہ نہ ملا تو زندگی رُک ہی جائے گی۔کسی بھی فرد کا کوئی کام نہ ہو سکے گا۔اور ان گنت چیزیں نہ ہو سکیں گی۔

سب ہی تلاش میں لگے تھے کہ اتنے میں ان کی بڑی بیٹی نے مصالحوں کے ڈبے صاف کرتے اور انھیں ترتیب سے رکھتے ہوئے آواز لگائی ''مل گیا''۔

اور سب دوڑتے ہوئے اس کے پاس پہنچے۔معلوم ہؤا یہ تار ڈبوں کے درمیان رکھاہؤا تھا۔

کیونکہ ایک رات پہلے خاتون خانہ نے پاور بینک سے اپنا موبائل چارج کیا تھا۔اور وہ پاور بینک تو اٹھا کر لے گئی تھیں لیکن یہ ''تار'' کیبنٹ میں ہی بھول گئی تھیں۔

لیکن اب انھیں خود بھی شرمندگی ہو رہی تھی کہ غلطی انہی کی تھی۔لیکن یہ کہ بات سنبھالی کہ ہر کام میں خدا کی مصلحت ہوتی ہے۔یہ تار کھویا تو ہمارے گھر کا کونا کونا صاف ہو گیا۔

اور جہاں بچے ایک دوسرے کی طرف حیرت سے دیکھ رہے تھے وہیں صاحب خانہ مصنوعی مسکراہٹ لاتے،اپنے سر کو جھٹکتے ہوئے گھر کے بیرونی دروازے کی طرف چل دیے۔

☆.....☆.....☆

سیلِ اشک

بانی حلقہ خواتین جماعت اسلامی، ادارہ بتول، ماہنامہ بتول، حمیدہ بیگم مرحومہ کی دیرینہ رفیق، بنت الاسلام مرحومہ ان کے بارے میں اپنی یادداشتیں تحریر کرتی ہیں [1]

آپا جی سے میری پہلی ملاقات ۱۹۴۷ء میں ہوئی جب پاکستان قائم ہوئے ابھی چند ہفتے ہی ہوئے تھے جن تین سفید سوتی موٹے کپڑوں میں، میں نے انہیں دیکھا چھبیس ستائیس برس تک میں انہیں عموماً اسی قسم کے سفید سوتی موٹے کپڑوں میں دیکھتی رہی اور ان کے ایمان و یقین کی جو حالت ۱۹۴۷ء میں تھی ٹھیک وہی حالت ۱۹۷۳ء کی اس دوپہر کو تھی جب ان کی وفات سے چند ہفتے پہلے مجھے ان سے ملنے کا اتفاق ہوا۔

(احزاب:۲۳) انہوں نے اپنے رویے میں کوئی بھی تبدیلی نہ کی)
وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝

اس وقت جب دماغ سمجھنے اور فیصلہ کرنے سے قاصر ہے۔ اس غمناک کہانی کو کہاں سے شروع کیا جائے۔ مجھے بار بار چند بے ربط واقعات یاد آتے ہیں۔ ان کو بیان کر دینا ہی مجھے کافی معلوم ہوتا ہے۔

میرے دل میں اسلام کی محبت آپا حمیدہ بیگم کی وجہ سے پیدا نہیں ہوئی تھی بلکہ آپا جی کی محبت اول الذکر شے نے پیدا کی تھی، ۱۹۴۷ء میں جب ان سے میری ملاقات ہوئی اس محبت کی جڑیں بہت گہری ہو چکی تھیں اور اسی شے نے آپا جی سے یہ تعلقات انتہائی گہرے کر دیے۔ وہ جن موضوعات پر گفتگو کرتی تھیں، وہ موضوعات مجھے عزیز تھے انہوں نے اپنی زندگی کا جو نصب العین بنایا، وہ مجھے بے انتہا پیارا تھا، وہ جس راہ میں تگ و دو کرتی رہتی تھیں وہ راہ میں نے بڑے دھکے کھا کر پائی تھی، اس لیے وہ میرے لیے دنیا کی ہر شے سے زیادہ دلکش تھی، قدرتی بات تھی کہ مجھے آپا حمیدہ بیگم سے دلی انس اور عقیدت ہو جاتی ان کی شکل میں مجھے ایک ایسا رفیق سفر مل گیا تھا جس نے اگرچہ مجھے منزل سے متعارف تو نہیں کرایا تھا مگر اس منزل کی طرف تگ و دو کرنے کے سلسلے میں انہوں نے مجھے قدم قدم پر سنبھالا دیا تھا اور یہ ان کا وہ احسان تھا جس سے میں کبھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتی!

ہم کمزور اور پریشان انسان، ذہنی طور پر چاہے ہمیں اس بات کا کتنا ہی دعویٰ کیوں نہ ہو کہ ہم اپنے نصب العین کے پورے پورے وفادار ہیں۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ زندگی کی گوناگوں پیچیدگیاں اور الجھنیں بارہا اس عزیز نصب العین کی تڑپ کو بھی بتدریج سرد کرنا شروع کر دیتی ہیں۔ آپا جی کا سب سے بڑا احسان مجھ پر یہی تھا کہ جب کبھی بھی یہ تڑپ سرد ہونا شروع ہوتی تھی وہ کسی دن اچانک آ جاتیں اور ان کی چند گھنٹوں کی صحبت بجھتی ہوئی آتش عشق کو از سر نو بھڑکا جاتی اور اس طرح جس چیز کو انہوں نے پیدا نہیں کیا تھا اس کو قائم رکھنے میں انہوں نے اتنی امداد دی کہ ان کی زندگی میں تو ان کے احسان کا بدلہ دینے کا کوئی ذریعہ تھا ہی نہیں مگر اب جب کہ وہ ایک ایسے عالم میں پہنچ گئی ہیں، جہاں بڑے بڑے نیکوکار کو بھی اس بات کی ضرورت رہتی ہے کہ زندہ لوگ ان کے لیے دعائے خیر کریں، میرے پاس ان کے احسان کی جزاء صرف یہی ہے کہ ہر نماز میں ان کے درجات کی بلندی کی دعا کرتی رہوں جو کوئی بھی دنیا چھوڑ کر چلا گیا اس کا عمل تو ختم ہو گیا لیکن اس کا عمل جاری رہے گا جس کے لیے بعد میں دعائے خیر کرنے والے موجود رہیں اور جس نے لوگوں کو ہدایت دی ہو اس کی دکھائی ہوئی راہ ہدایت پر چلنے کے باعث زندگی میں جو نیکی بھی کریں گے اس کے اجر میں سے اس نیکوکار کو برابر حصہ ملتا رہے گا جس نے انہیں نیکی کی راہ پر لگایا تھا۔

آپا حمیدہ بیگم اس وقت کہاں ہیں کس عالم میں ہیں کس حالت میں ہیں ان رازوں کو اس عالم الغیب کے سوا کون جان سکتا ہے؟ لیکن اپنی محدود نگاہ سے ہم جو کچھ دیکھتے رہے اور محدود عقل سے جو کچھ سمجھتے رہے وہ

---

[1] ''دورِ حاضر کی محسنہ آپا حمیدہ بیگم'' مرتبہ پروفیسر فروغ احمد البدر پبلی کیشنز

تو یہی تھا کہ انہیں ایک ہی لگن تھی اور وہ یہ کہ لوگ کسی طرح سیدھی راہ پر لگ جائیں ایک نوجوان بچی کی ماں کا یہ فقرہ اس وقت بار بار میرے ذہن میں آرہا ہے کہ حمیدہ بیگم کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ وہ لوگوں کی نوجوان بچیوں کو ہدایت کی راہ دکھاتی ہیں!''

حالت امن ہوتی یا زمانہ جنگ، کسی انفرادی اور نجی بے چینی کا سامنا ہوتا یا کسی بہت بڑے قومی المیے کا، الیکشن کی ہنگامہ خیز مصروفیتوں کی بھرمار ہوتی یا عام پرامن زندگی کے شب و روز، آپا جی کا اپنا مخصوص نکتہ نگاہ ہر صورت میں نمایاں نظر آتا جب حالات نارمل ہوتے تھے تو وہ عام لوگوں تک دین کا پیغام پہنچانے کے لیے مختلف اقسام کی کوششوں میں مصروف رہتی تھیں اور جب ہنگامی حالات پیدا ہو جاتے تھے تو پھر تبلیغ دین کے ساتھ ساتھ ان سرگرمیوں کی طرف بھی پوری طرح متوجہ ہو جاتی تھیں جن کا وہ وقت تقاضا کرتا تھا۔

۱۹۶۵ء کی جنگ کے دوران ایک دفعہ ان سے ملاقات ہوئی تو دیکھا کہ وہ بہت خوش اور مطمئن تھیں، یہ پاکستان کے قیام کے بعد پہلی جنگ تھی چنانچہ بے شمار لوگ ایسے تھے جو ہمہ وقت مایوسی کا شکار رہتے تھے مگر آپا جی اپنے بیمار اور کمزور لاغر جسم کے باوجود ذرہ برابر بھی ہراساں یا پریشان نہیں تھیں پہلے وہ ہمیں ہدایات دیتی رہیں کہ جنگ کو کامیاب کرنے کے لیے ہم لوگوں کو کیا کرنا چاہیے' اور پھر دوران گفتگو بڑی مسرت سے کہنے لگیں۔

''مجھے خوشی تو اس بات کی ہے کہ حساب کتاب نہیں ہوگا''۔

بس انہوں نے اتنا ہی جملہ بولا مگر ان کا مطلب صاف اور واضح سمجھ میں آرہا تھا کہ اپنے اسلامی علاقے کے دفاع کے سلسلہ میں جو مر جائے وہ شہید ہوگا۔ اس لیے ہم عورتیں بھی کوئی ایسا کام کرتے ہوئے جس سے مراد جنگ میں امداد دینا ہو بم باری کا شکار ہو کر ہلاک ہو گئیں تو ہمیں بھی شہادت کی موت نصیب ہو گی اور شہید کے لیے کوئی حساب کتاب نہیں۔

جس انداز سے آپا حمیدہ بیگم نے یہ جملہ بولا تھا وہ آج تک مجھے یاد ہے اور اس انداز سے صرف وہی شخص بول سکتا تھا جسے عاقبت دنیا سے پیاری ہو۔

۱۹۷۱ء کی جنگ کے دوران میں جب حالات بہت زیادہ خراب ہو گئے تو ایک دن میں سخت بے کلی کے عالم میں آپا جی سے ملنے چلی گئی یہ وہ وقت تھا جب ہر پاکستانی کے دل پر ہر لحہ قیامت گزرتی رہتی تھی نہ دن کا چین تھا نہ رات کا آرام، نہ گھر کے اندر جی لگتا تھا نہ گھر سے باہر، حالات روز بروز خراب سے خراب تر ہوتے جا رہے تھے، ان دنوں آپا جی نور محلے والے مکان میں رہتی تھیں۔ جب میں اندر گئی تو دیکھا کہ وہ اپنے پلنگ پر بیٹھی تھیں اور ان کی بڑی بہن مرحومہ پلنگ کے پاس کھڑی تھیں اور آپا جی بہت رو رہی تھیں۔

میرا دل سہم گیا پتہ نہیں آپا جی کیوں رو رہی ہیں میں نے انہیں زندگی میں روتے ہوئے بہت کم دیکھا تھا اور ہم جیسے بزدل انسانوں کی طرح رونے دھونے میں بالکل ایمان نہیں رکھتی تھیں بلکہ جب حالات سخت ہوتے تو ان کا حوصلہ عزم اور ایمان اور بھی زیادہ جوان اور پختہ ہو جایا کرتا تھا آج پتہ نہیں وہ کیوں رو رہی تھیں!

میں سلام کر کے ان کے پاس بیٹھ گئی، انہوں نے آنسو پونچھ ڈالے اور میری طرف متوجہ ہوئیں مجھے یہ پوچھنے کی جرأت نہ ہوئی کہ آپا جی آپ کیوں رو رہی ہیں مگر شاید وہ میرے دل کی بات پا گئیں کچھ دیر کے بعد خود ہی کہنے لگیں دیکھو میں اس لیے رو رہی تھی کہ یہ میرا بھتیجا جو میرے پاس رہتا ہے نا یہ انڈیا ریڈیو سننے سے باز نہیں آتا مجھے رونا تو اس بات پر آتا ہے کہ رہتا تو میرے پاس ہے اور کام ایسا کرتا ہے جس میں پاکستان کا نقصان ہے۔

میں نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا کہ آپا جی یہ کام تو اس وقت بہت سے لوگ کر رہے ہیں وہ ادبدا ہو کر انڈیا ریڈیو سنتے ہیں پھر اس کے پراپیگنڈہ سے متاثر بھی ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے سامنے ان باتوں کو دہرا کر ایک دوسرے کی ہمتیں بھی پست کرتے ہیں مگر کہتے یہی ہیں کہ ہم انڈیا ریڈیو صرف اس لیے سنتے ہیں کہ پتہ چلتا رہے کہ وہ کیا کہتے ہیں۔

پھر آپا جی نے کچھ اور باتیں کیں اور اس کے بعد کچھ ڈرتے

ڈرتے اور جھجکتے جھجکتے بولیں ''کیا یہ بات ٹھیک ہے کہ انڈیا نے جیسور پر قبضہ کرلیا ہے!''

اگرچہ حالات بہت خراب تھے، لیکن اس وقت تک ابھی انڈیا کا جیسور پر قبضہ نہیں ہوا تھا۔ میں نے بڑی قطعیت سے کہا کہ ہرگز نہیں۔ آپ سے کس نے کہا ہے کہ جیسور پر قبضہ ہوگیا ہے؟ انڈیا تو ابھی جیسور سے میلوں دور ہے۔

جیسے ہی میں نے یہ بات کہی آپا جی کا چہرہ ایک دم کھل اٹھا اور رنج وغم کے اثرات ان کے چہرے سے غائب ہوگئے، وہ خوش ہوکر بولیں ''دیکھا اس طرح یہ لوگ میری جان نکالتے رہتے ہیں۔ انڈیا ریڈیو سنتے ہیں اور پھر جو غلط بیانیاں کرتا ہے وہ آکر مجھے سناتے ہیں، آج صبح ہی مصباح میرے کمرے میں آئی اور بلند آواز سے کہنے لگی پھوپھو جی جیسور پر انڈیا کا قبضہ ہوگیا ہے بس کچھ نہ پوچھو، مجھے تو ایسا معلوم ہوا جیسے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی''۔

میں نے کہا آپا آپ اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان دیتی رہیں اور دعا کرتی رہیں، جیسور پر ہرگز انڈیا کا قبضہ نہیں ہوا۔ آپا جی میری بات سن کر خوش ہوتی جارہی تھیں، اور نہ ان کی آنکھ میں آنسو رہا، نہ چہرے پر غم کا کوئی اثر میں آپا کو جھوٹی تسلیاں دیتی رہی، اگرچہ سینے کے اندر دل کو جیسے کوئی زور زور سے دھکے دے رہا تھا۔

آپا جی کا یہ سنتے ہی کہ جیسور پر انڈیا کا قبضہ نہیں ہوا، اتنا خوش ہونا صاف بتا رہا تھا کہ رونے کی اصل وجہ یہ خبر تھی نہ کہ ان کے بھتیجے کا انڈیا ریڈیو سننا۔ اس وقت ان کی بے کلی اور بے چینی دیکھ کر صاف معلوم ہورہا تھا کہ اپنی ساری بہادری اور اولوالعزمی کے باوجود وہ ملت کی اس عام مصیبت سے اتنی ہی دکھی ہورہی تھیں، جتنے ہم بزدل لوگ!

جس طرح انہوں نے جھجکتے جھجکتے پوچھا کہ کیا یہ خبر ٹھیک ہے کہ انڈیا نے جیسور پر قبضہ کرلیا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہورہا تھا کہ وہ اس سوال کے جواب سے ڈر رہی ہیں، مگر جب میں نے جواب ایسا دیا جس نے ان کے دل کا بوجھ اتار دیا تو پھر وہ دیر تک میرے ساتھ باتیں کرتی رہیں، کہ ہمیں اس جنگ کے دوران کیا کچھ کرنا چاہیے ان دنوں لاہور پر بمباری ہورہی تھی۔ ہم جس کمرے میں بیٹھے تھے اس کی کھڑکیاں اور دروازے باہر کی طرف کھلتے تھے۔ کچھ جہاز شور مچاتے ہمارے سروں سے گزرنے لگے، آپا جی کچھ دیر تو باتیں کرتی رہیں مگر جب بمباری کی آواز آنے لگی تو انہوں نے کہا کہ اب ہمیں اندر والے کمرے میں چلے جانا چاہیے۔ یہ بات انہوں نے اپنی اصول پرستی کے باعث صرف اس لیے کہی تھی کہ احتیاط لازمی ہے ورنہ جہاز یا بمباریاں ان کے لیے کسی خوف یا ہراس کی وجہ نہیں ہوتی تھی۔

یہ بات عجیب ہے کہ آپا جی کی اور میری طبائع میں بہت اختلاف تھا مگر تعلقات روز بروز گہرے ہوتے جاتے تھے اگرچہ کچھ باتیں ایسی ہوتیں جن میں باہم اختلاف ہوتا، اور اختلاف رہتا، مگر یہ اختلافات ہمیں ایک دوسرے کی زندگی سے علیحدہ نہ کرسکے، جب تک آپا جی کی صحت اس قابل رہی کہ وہ چل پھر سکتی تھیں یا سواری پر بیٹھ کر کہیں جاسکتی تھیں، وہ وقتاً فوقتاً خود چل کر میرے گھر آتی رہیں، مگر جب ان کی صحت زیادہ خراب ہوگئی تو پھر میں خود ان کے ہاں جانے لگی جب کبھی مجھے فرصت ملتی یا حالات اجازت دیتے میں دوڑی دوڑی ان کے ہاں جاتی پھر چاہے ہم کسی معاملے میں ایک دوسرے سے متفق ہوسکتے یا نہ ہوسکتے تعلقات ویسے ہی رہتے جیسے پہلے ہوتے۔ چھبیس ستائیس سال کی لمبی مدت میں جن چند امور میں مجھے آپا کی رائے سے سخت اختلاف ہوا ان میں ''بتول'' کے انتظامی معاملات کا مسئلہ بھی تھا بعض ذمہ دار خواتین اس بندوبست میں تبدیلی چاہتی تھیں، لیکن میرے دل میں خطرہ تھا کہ یہ تبدیلی پرچے کے لیے مضر ثابت نہ ہو میں نے اپنا نقطہ نگاہ آپا جی کے سامنے واضح کرنے کی انتہائی کوشش کی مگر اکثریت کی رائے میری رائے کے خلاف تھی اور اس جمہوریت کے زمانے میں ظاہر ہے کہ فیصلہ وہی ہونا تھا جسے اکثریت چاہے۔ اس وقت میرے دل میں یہ خدشہ شدید تھا کہ تبدیلی پرچے کو نقصان پہنچائے گی، مگر بعد میں اس لیے مجھ پر سخت قسم کی دل برداشتگی کی جگہ اس خوف نے لے لی کہ کہیں آپا جی ناراض تو نہیں ہوگئیں اور اس کے بعد میں نے آپا جی کے ہاں زیادہ جانا شروع کردیا، ایک دن تو مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں خاص طور پر صرف اس لیے گئی کہ ایسی باتیں کروں

جن سے ان کا دل خوش ہو گفتگو کے دوران میں نے بتول کا نام تک نہ لیا، بلکہ جب انہوں نے خود ایک آدھ دفعہ بات چھیڑنا چاہی تو میں بات کو گول ہی کر گئی کیونکہ اس وقت میں صرف یہ چاہتی تھی کہ وہ خوش ہو جائیں اور اگر میرے اپنی بات پر اڑے رہنے کے باعث ان کے دل میں کچھ تکدر کبھی آ بھی گیا تھا تو وہ دور ہو جائے۔

انہوں نے ہمیں اتنی آزادی رائے دے رکھی تھی کہ جب کوئی اپنی رائے ہوتی اور آپا جی کو اس سے اختلاف ہوتا تو میں اپنی رائے پر اڑی رہتی اور اس وقت تک اسے نہ بدلتی جب تک مجھے یقین نہ ہو جاتا کہ یہ غلط ہے مگر انتہائی اختلاف کے دوران بھی یہ خیال کبھی نہ آتا تھا کہ میں آپا جی کو چھوڑ سکتی ہوں یا آپا جی مجھ کو چھوڑ دیں گی''۔ ہر انسان کا اپنا ایک نقطہ نگاہ ہوتا ہے جس کی رو سے وہ بعض چیزوں کو کم اور بعض کو زیادہ اہمیت دیتا ہے مجھے یہی محسوس ہوتا ہے کہ اصل محبت وہی ہے جو اختلاف رائے کے باوجود قائم رہے، جیسے دو انسانوں کی شکلیں ایک جیسی نہیں ہوتیں دو طبیعتوں کا بھی بالکل ایک جیسا ہونا مشکل ہے اختلافات تو ہوں گے ہی۔ جو باہمی اختلافات کی ضربیں سہ جائے اور پھر بھی قائم رہے وہی درحقیقت محبت ہے۔آج جب ایک انسان اپنی پاکیزہ زندگی بخیر وخوبی انجام تک پہنچا کر اپنے ایمان کی سلامتی کے ساتھ دنیا سے رخصت ہو گیا ہے تو دوسرے انسان کو جدائی کے صدمے کے ساتھ ہی یہ تسکین بھی موجود ہے کہ یہ باہمی الفت جو صرف خدا کے دین کی محبت کی بنا پر تھی آخری لمحات تک نبھ گئی۔

دنیا میں بسا اوقات ایسے ہوتا ہے کہ اللہ رب العالمین کسی سخت مصیبت کے آنے سے پہلے بعض حالات ایسے پیدا کر دیتا ہے جن کے باعث ذہن اس ضرب کو سہنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے اگرچہ آپا جی ایک لمبی مدت سے بیمار چلی آ رہی تھیں مگر ذہن اس شے کے لیے تیار ہی نہیں ہوتا کہ وہ ہمیں چھوڑ کر چلی جائیں گی اس لیے جب اچانک صفیہ بیگم نے فون کیا کہ آپا حمیدہ وفات پا گئی ہیں تو دل و دماغ جیسے ماؤف ہو کر رہ گئے کیا واقعی آپا جی دنیا سے چلی گئی ہیں کیا اب وہ ہمیں کبھی نہ ملیں گی ان کا تکلیف دہ سفر ختم ہو گیا؟ ان کے سارے جسمانی آلام ختم ہو گئے؟ ان کی وہ مسلسل اور متواتر بے چینی ختم ہو گئی کہ کیا کروں کہ لوگ دین کی راہ پر آ جائیں؟ انہوں نے اپنی ذمہ داریاں پوری کر لیں اپنے فرائض ادا کر دیے۔عمل اور جدوجہد کے نتائج دیکھنے کا وقت آ گیا!

مجھے آپا جی پر رشک آنے لگا آپا جی آپ نے تو اپنے سارے کام ختم کر لیے آپ تو فارغ ہو گئیں۔ بالکل فارغ، اور کتنے عمدہ طریقے سے آپ فارغ ہوئیں آپا جی۔اب آپ کو تو کوئی کام نہ ہو گا، کوئی فکر نہ ہو گا، کاغذ مہنگا ہو یا سستا ہو، بتول وقت پر چھپے یا نہ چھپے، مضامین تھوڑے آئیں یا زیادہ، لکھنے والی خواتین کہانیاں یا مضامین لکھیں یا نہ لکھیں۔ الیکشنوں میں اسلام پسند جیتیں یا سوشلزم کے حامی، آپ تو اب ان سب باتوں سے بے نیاز ہو گئی ہیں، اب تو آپ سکھ کی نیند سوئیں گی اللہ تعالیٰ آپ کو بڑی ہی سکھ اور آرام کی نیند عطا کرے، آمین ثم آمین

مجھے ایسے محسوس ہو رہا تھا کہ آپا جی حمیدہ بیگم کا سفر بڑی جلدی ختم ہو گیا، وہ کتنی جلدی رفیق اعلیٰ سے جا ملیں اور ہم جو ابھی اس اندھیری دنیا میں بھٹک رہے ہیں پتہ نہیں ہماری منزل ابھی کتنی دور ہے، پتہ نہیں اس منزل پر پہنچنے کے بعد ہمارے ساتھ کیا معاملات ہوتے ہیں؟

جب ہم آپا جی کے گھر پہنچے تو جیسے کچھ حیرت سی ہونے لگی باہر پھاٹک پر کوئی متنفس نظر نہیں آ رہا تھا اور نہ وہ گھر ماتم والا گھر معلوم ہو رہا تھا ہم دل کو سنبھالے اندر داخل ہوئے صحن میں کچھ خواتین ادھر ادھر بیٹھی تھیں، مگر ان کے چہروں پر غم والم نظر نہ آیا جس کی توقع تھی۔صحن سے گزر کر ہم ایک دوسرے کمرے میں پہنچے وہاں جو خواتین بیٹھی تھیں ان میں زیادہ تر آپا جی کی رشتہ دار خواتین تھیں، ڈرتے ڈرتے ادھر ادھر نگاہ ڈالی، مگر کہیں بھی میت نظر نہ آئی اور خواتین بھی بڑے نارمل انداز میں باتیں کر رہی تھیں۔اس صورت حالات کو دیکھ کر مجھے اتنی حیرت ہوئی کہ دم بخود سی رہ گئی۔آپا جی حمیدہ بیگم دنیا سے رخصت ہو گئی ہیں اور یہاں جیسے کسی کو پتہ ہی نہیں۔

میں آپا جی کی بھانجی جمیلہ کے پاس بیٹھ گئی اور پوچھا کہ آپا جی کو اچانک کیا ہوا، ابھی کچھ روز ہی تو ہوئے ہیں کہ میں ان سے مل کر گئی تھی، حالت ایسی تو نہ تھی کہ اتنی جلدی رخصت ہو جاتیں۔

انہوں نے ٹھنڈی سانس بھری اور کہنے لگیں کہ بس اچانک ہی تکلیف ہوگئی اور پتہ بھی نہ چلا کہ رخصت ہوگئیں۔اس کے بعد وہ خود ہی باتیں کرتی رہیں اور بات کرتے کرتے بولیں کچھ دن ہی ہوئے ہیں کہ ہماری ایک رشتے کی خالہ کی بھی وفات ہوئی ہے جب انہوں نے ان کی وفات کا حال سنا تو کہنے لگیں۔بس اب میرے جانے کی باری ہے۔

جمیلہ کی اس بات نے مجھے اور بھی حیران کر دیا کیونکہ آپا جی کا یہ طریقہ بالکل نہ تھا کہ وہ موت کی خواہش کریں یا اپنی موت کی پیشین گوئی کریں۔

ابھی میں اس حیرت ہی میں تھی کہ جمیلہ کہنے لگی ''ہماری ان خالہ کا نام بھی انور تھا اور ان کا نام بھی انور تھا۔ دونوں ہم نام آگے پیچھے چلی گئیں''۔

مجھے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے میرا دماغ چکرا رہا ہے جمیلہ آخر آپا جی کا نام انور کیوں بتا رہی ہے۔حالانکہ ان کا نام حمیدہ بیگم تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد جمیلہ کہنے لگی ''آپ آپا جی سے مل آئی ہیں؟ وہ اس کمرے میں ہیں ۔۔۔۔''۔

''مل آئی ہیں؟ وہ اس طرح کہہ رہی تھیں گویا آپا جی زندہ ہیں میں نے ہکلاتے ہوئے کہا۔''نہیں ابھی تو نہیں ملی ۔۔۔۔''۔

وہ اٹھ کھڑی ہوئیں اور کہنے لگیں کہ ''اچھا چلیں پھر ان سے ملیں، باقی سب لوگ بھی انہیں کے پاس بیٹھے ہیں ۔۔۔۔''۔ میرا دماغ مارے حیرت کے گھومے جا رہا تھا پھر میں نے اپنے دل کو یہ سمجھایا کہ ''آپا جی'' کہنے سے جمیلہ کی مراد آپا جی کی بڑی بہن ہیں۔ہم اس کمرے سے نکل کر ساتھ والے کمرے میں پہنچے تو مجھے صفیہ بیگم ملیں، جنہوں نے فون پر مجھے آپا جی کی وفات کی اطلاع دی تھی، ان کا چہرہ دیکھ کر میری حیرت اور بھی بڑھ گئی، کہاں تو فون پر آپا جی کی وفات کی اطلاع دیتے ہوئے وہ بلک بلک کر رو رہی تھیں، اور کہاں اب ان کے چہرے پر نہ صرف یہ کہ غم نہ تھا بلکہ ایک قسم کا سکون (اور شاید خوشی بھی) نظر آ رہی تھی، مجھے دیکھتے ہی انہوں نے بھی وہی جملہ دہرایا!

''کیا آپ آپا جی سے مل چکی ہیں؟''

جمیلہ سے تو میں نے کچھ نہ پوچھا تھا مگر صفیہ سے میں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں سوال کیا کہ یہ تم مجھے کیا کہہ رہی ہو، اور آپا جی تو وفات پا گئی ہیں تو تمہارے چہرے پر یہ اطمینان کیسا ہے!

صفیہ میرے دل کی بات سمجھ گئی اور اس نے کہا کہ ''آپا جی حمیدہ بیگم تو فوت نہیں ہوئی ہیں ۔۔۔۔''۔

نہ میرے پاس وہ الفاظ ہیں نہ وہ پیرایہ بیان جس میں' میں بتا سکوں کہ صفیہ کے اس جملہ نے میرے دل کا کیا حال کیا ہے اتنی مسرت اتنی خوشی ہوئی کہ زبان بیان کرنے سے قاصر ہے میں کھڑی کھڑی کی رہ گئی اور بار بار منہ سے صرف ایک ہی جملہ نکلتا تھا، ''خدایا تیرا شکر ہے'' تیرا شکر ہے۔

شدت مسرت نے اس وقت ادب تمیز کا خیال بھی نہ رہنے دیا میں نے آہستہ سے صفیہ سے کہا۔

''تیرا ستیاناس''! تو نے فون پر مجھے کیا کہا!''

پتہ نہیں صفیہ نے میرے پہلے الفاظ سنے یا نہ سنے انہوں نے بھی آہستگی سے جواب دیا ''بات یہ ہے کہ آپا جی کے بھتیجے نے آ کر بس اتنا کہا کہ پھوپھو جی انتقال کر گئی ہیں، اس سے سب سننے والوں کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ آپا جی فوت ہوگئی ہیں۔کمرے میں اور کئی عورتیں بیٹھی تھیں جن میں گھر والوں کی رشتہ دار خواتین بھی تھیں، ہم غیر ارادی طور پر بار بار ''شکر ہے'' شکر ہے کہتے تھے مگر آہستہ آہستہ سے کہ آپا انور کی رشتہ دار برا نہ مان جائیں کہ یہ اچھی عورتیں ہیں ہماری بہن وفات پا گئی ہیں اور یہ شکر ادا کر رہی ہیں۔

کہاں تو میں بھاری دل لے کر جمیلہ کے ساتھ اٹھی تھی، اور کہاں ایک کمرے سے دوسرے میں پہنچتے پہنچتے دل کی کیفیت بالکل ہی بدل گئی اور میں خوشی خوشی اس کمرے کی طرف چلی جہاں آپا جی بیٹھی تھیں۔

آپا جی اپنے بستر پر بیٹھی تھیں وہی سفید سوتی کپڑے وہی کمزور نحیف سا جسم آج ان کا چہرہ غم کے باعث اور بھی زیادہ زرد اور کمزور نظر آ رہا تھا۔کچھ اور بہنیں ان کے گرد بیٹھی تھیں اور آپا زبیدہ بلوچ ان کے پیچھے انہیں سہارا دیے ہوئی تھیں۔

آپا جی کو زندہ دیکھ کر میرے دل میں محبت کا ایک طوفان سا اٹھ کھڑا ہوا مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ دنیا جہان کا حسن اس نحیف کمزور سے بدن میں سمٹ آیا ہے میں ان کے بستر پر ان کے پاس بیٹھ گئی اور بے تابی سے ان کا ہاتھ پکڑ کر چوم لیا، اس وقت افسوس کا کوئی رسمی جملہ میرے منہ سے نہ نکل سکا آپا جی انور کا افسوس کرنے کے بجائے میری زبان سے صرف یہی نکلا کہ ''آپا جی آپ کی طبیعت ٹھیک تو ہے نا!''

آپا جی نے نگاہیں اٹھا کر میری طرف دیکھا ان کی نگاہوں میں غم اور بے چارگی سی تھی۔ انہوں نے زبان سے تو کچھ نہ کہا مگر ان کی نگاہیں کہہ رہی تھی کہ ''دیکھو میری بہت فوت ہوگئی ہے میری اکلوتی بہن''

میں نے محسوس کیا کہ جو کیفیت میرے دل کی تھی وہی سب اردگرد بیٹھی ہوئی بہنوں کی تھی، غالباً سبھی کو غلط اطلاع ملی تھی۔ میں نے اپنے کانوں سے بعض کو دبی زبان سے ''شکر ہے'' کہتے سنا اب مجھے سمجھ آئی کہ وہاں بیٹھی خواتین کے چہروں پر اطمینان کیوں تھا۔ یہ نہیں کہ جانے والی سے ہم لوگوں کو محبت نہ تھی وہ اتنی محبت شعار علم دوست اور نیکوکار خاتون تھیں کہ ہم سب ان کی عزت کرتے تھے بات صرف یہ تھی کہ جس جس نے آپا جی کی وفات کا سن رکھا تھا اسے جب پتہ چلتا کہ آپا جی زندہ ہیں تو وہ اپنی خوشی اور اطمینان کو ضبط نہ کر سکتا۔

جب آپا انور کو تیار کر کے کفن پہنا کر ان کی چارپائی باہر صحن میں رکھی گئی تو آپا جی ان کے پاس آ گئیں، اس دن وہ بہت ہی کمزور دکھائی دے رہی تھیں۔ ہم ان کے اردگرد اسی چارپائی پر ہجوم کر کے بیٹھ گئے کوئی آپا جی کو پیچھے سے سہارا دیتا کسی کا جی چاہتا کہ ان کے پاؤں دبائیں۔ اس میں شخصیت پرستی کی کوئی بات نہیں تھی ہم اس وقت اپنے دل کے جذبات کے باعث غیر ارادی طور پر ایسا کر رہے تھے، میں نے محسوس کیا کہ آپا جی تھک گئی ہیں تو میں نے کہا آپ لیٹ جائیں آپا جی بڑے غم ناک انداز میں کہنے لگیں،

''مجھے یہیں بیٹھے رہنے دو جب تک سورج چمک رہا ہے اسے دیکھ لوں پھر تو اس کو غروب ہو ہی جانا ہے''۔

ان کی مراد اپنی دنیا سے رخصت ہونے والی بہن کی میت تھی جنازہ اٹھنے میں ابھی کچھ دیر باقی اور مغرب قریب تھی اس لیے ہم کچھ عورتیں اٹھ کر چلی آئیں اور سارا راستہ دل سے شکر نکلتا رہا۔

حالانکہ یہ حادثہ گزر چکا تھا مگر نادان دل میں پھر از سر نو جیسے یقین سا بندھ گیا کہ آپا جی حمیدہ بیگم ہمیں چھوڑ کر نہیں جائیں گی، اللہ تعالیٰ انہیں لمبی زندگی دے گا انشاء اللہ۔

اس واقعہ کے چند ہی ہفتے بعد پھر صفیہ بیگم نے ہی مجھے فون کیا اور پھر وہی بات بتائی کہ آپا جی ہمیں چھوڑ کر چلی ہی گئیں۔

انسان ایسا سیدھا سادا خوش فہم اور توقع پسند واقع ہوا ہے کہ اب بار بار دل میں امید پیدا ہوتی تھی کہ شاید اس دفعہ بھی یہ اطلاع غلط ہی ثابت ہو، حالانکہ اس قسم کے خوش آئند حادثات زندگی میں بار بار پیش نہیں آیا کرتے۔

آج ۱۳ سی وحدت کالونی کے پھاٹک پر حسرتوں اور ویرانیوں نے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے گھر کے در و دیوار رو رہے تھے اور فضا تک سوگوار ہو رہی تھی گھر کے سب سے بڑے کمرے میں آپا جی کی میت رکھی ہوئی تھی اور کمرے میں خواتین اور نوجوان لڑکیوں کا وہ ہجوم تھا کہ گزر کر ان کی چارپائی تک جانا مشکل تھا۔

جب آپا جی کی پٹی سے لگ کر بیٹھی تو میں نے دیکھا کہ اب آپا جی کے چہرے پر دائم المرض ہونے کے کوئی آثار نہ تھے چہرے پر ایسا اطمینان اور ایسا وقار کہ وہ میت کا چہرہ نہیں لگ رہا تھا اور رنگ بھی پہلے سے بہت زیادہ کھلا ہوا تھا' جیسے وہ سکھ کی نیند سو رہی ہوں بڑے آرام کی نیند جو انہیں مدتوں سے نہیں آئی تھی، وہی سفید سوتی لباس۔ آپا جی کھدر کے کفن میں ملبوس تھیں۔ پاس ہی سے کسی نے بتایا کہ اس کھدر کا دھاگہ آپا جی کی والدہ محترمہ نے خود کات کر کپڑا بنوایا تھا اور پھر اسے زمزم میں بھگو کر رکھا ہوا تھا۔

نہ میں روئی نہ چلائی جیسے ذہن اس رخصتی کے لیے پہلے ہی سے تیار تھا حالانکہ ذہن اس سے پہلے اس کے لیے کبھی تیار نہ ہوا تھا۔

میں آپا جی کے پروقار، پرسکون چہرے کو دیکھ رہی تھی اور چپکے چپکے اپنے آپ سے باتیں بھی کر رہی تھی۔

دیکھ لے جان، آپا جی رخصت ہوگئیں۔ آپا جی وفات پا گئیں، وہ اپنے آقا و مالک کے پاس چلی گئیں۔ یاد رکھ تجھے بھی ایک دن چلے جانا ہے تجھے بھی ایک دن اس آقا و مولا کے حضور میں جا کر کھڑا ہونا ہے تجھ پر بھی وہ لمحات ضرور آئیں گے جب لوگ تجھے سفید کفن میں ملبوس کر کے چارپائی پر ڈال دیں گے تو تیرے اردگرد سوگوار بیٹھے ہوں گے۔

پھر وہ تجھے لے جا کر مٹی کے سپرد کر آئیں گے۔ اے میری جان۔ ان لمحات کو نہ بھول جب یہ سب کچھ ہوگا، اور ضرور ہوگا، جو موت آپا جی پر وارد ہوگئی وہ تیرے بڑے ہی قریب ہے وہ عنقریب تجھے آلے گی ضرور بالضرور آلے گی اور دنیا میں اور کچھ ہو یا نہ ہو مگر یہ ناگزیر ہے کہ تو مرے گی، اور اپنے مولا کے حضور میں دست بستہ کھڑی ہوگی۔ اس دن کے لیے تیاری کر میری جان، وہ دن بڑا ہی قریب آلگا ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے چند لکیریں کھینچیں پھر فرمایا کہ یہ تو انسان ہے اور یہ اس کی موت ہے۔ انسان اسی طریقے سے رہتا ہے۔ (اور تمنائیں کرتا رہتا ہے) کہ قریب کی لکیر (یعنی موت) اسے آلیتی ہے۔ (بخاری)

آپا جی کے رشتہ دار مردمیت اٹھانے کے لیے اندر آگئے گریہ و زاری اور کلمہ شہادت کی صداؤں سے فضا معمور ہو رہی تھی، کمرے میں بے انتہا رش ہوگیا میں نے بمشکل اپنے آپ کو اس رش سے نکالا اور اس کمرے میں جا پہنچی جہاں آپا جی بیٹھ کر ہم سے باتیں کیا کرتی تھیں۔ کمرے کی کھڑکی سے میں نے باہر دیکھا تو آپا جی حسب معمول اپنے سفید سوتی موٹے کپڑوں میں ملبوس اپنے بھائیوں کے کندھوں پر اپنی ابدی آرام گاہ کی طرف جا رہی تھیں۔

''اسی زمین'' میں سے ہم نے تمہیں پیدا کیا، اسی میں ہم تمہیں واپس لے جائیں گے اور اسی سے تمہیں دوبارہ نکال لیں گے''۔ (طٰہٰ:55)

☆.....☆.....☆

ڈاکٹر میمونہ حمزہ

یہ نئے مزاج کا شہر ہے

ذرا فاصلے سے ملا کرو!

ہمارے شہر کا کیا کہنا!

جب دنیا ''دوست ہوتا نہیں ہر ہاتھ ملانے والا'' کے نغمے الاپتی تھی، اس وقت بھی ہمارے شہر میں ہر ہاتھ ملانے والا دوست ہی تھا، ہم ان دوستوں کی محبت میں ڈوبے ہوئے تھے اور ہر روز روزِ عید اور ہر شب شبِ برات تھی۔ دور دراز کے ملکوں سے ہمارے بچوں کی کال آتی تو وہ ہمیں لش پش کرتے کہیں جانے کو تیار پاتے اور ایک ہی صدا سنائی دیتی:

''آج پھر آپ کی دعوت ہے؟''

اور ہم مسکرا دیتے۔ اور کبھی ہمیں بھاگ بھاگ کر کام سمیٹتے بے حال دیکھتے تو بھی یہی سوال ان کی زبان سے ادا ہوتا:

''آج پھر آپ کے ہاں دعوت ہے؟''

اور انہیں خوشیوں کے ہنڈولے میں جھولتے ہمیں دیارِ غیر میں چار برس گزر گئے۔ ہر سال جانے والے کچھ خاندان چلے جاتے تو کچھ دوسرے آ بھی جاتے، ہر موسم ہمارے لیے ایک سا موسم تھا... ملن کا موسم! اور کتنی مزے کی بات ہے کہ ہمارے شوہروں کی بھی خوب بنتی تھی، اور اولادوں کی بھی! گھروں کی یکسانیت سے اکتاتے تو باہر نکل جاتے، کبھی کوئی پارک اور کبھی صحرا کا کوئی گوشہ ہمارا عارضی ٹھکانہ بنتا جہاں کچھ پہر گزار کر دامن میں اچھی یادیں سمیٹ کر واپس ہو لیتے۔

فروری ۲۰۲۰ میں ہمارے لمبے پروگرام بن رہے تھے بیرون شہر سیر کے۔ حائل میں حاتم طائی کے گاؤں سے بھی گزرنا تھا اور مدائن صالح بھی، اور کچھ فہرست ابھی مرتب ہو رہی تھی کہ اچانک ہمارے شہر کا مزاج بدلنے لگا۔ ہر طرف شور سنائی دیا کہ باہر نہ نکلو خطرہ ہے خطرہ!

کیسا خطرہ؟ ہم نے بظاہر بہادری سے سوال کیا مگر ہمیں ''ششش'' کہہ کر چپ کروا دیا گیا۔ طے شدہ پروگرام، معطل اور موخر ہونے لگے۔ ہم کچھ کرنے کو بے تاب تھے اور ارد گرد والے ہاتھ جوڑ کر کہتے:

نہ ''کرونا''.....!

ایسا کرونا جو جہنم کے داروغوں کے بمقدار ''کرونا ۱۹'' ہے، انوکھا سا وائرس جو ہمارے شہر ہی کیا پورے گاؤں میں پنجے گاڑنے کو بیتاب ہے (ایک زمانہ تھا کہ شہر بڑا اور گاؤں چھوٹا ہوتا تھا، مگر اس گلوبل ولیج کے تصور نے پوری دنیا کو ہی گاؤں بنا ڈالا ہے)۔

ایک صبح اٹھے تو معلوم ہوا تمام تعلیمی ادارے بند... بیٹی اور میاں کو گھر میں مستقل دیکھ کر ہمیں ہول آنے ہی لگا تھا کہ معلوم ہوا آن لائن کلاسیں ہوں گی۔ ہماری بیٹی نے دہائی دی۔

''آپ ہی کی نظر لگی ہے، جو کسی کو فارغ نہیں دیکھ سکتیں''۔

شہر کا مزاج کیا بدلا، گھروں کا رہن سہن بھی بدل گیا۔ ہم نے ایک دن بی پڑوسن کو فون کیا کہ ہمارا دل گھر میں بوریت محسوس کر رہا ہے، ملنے کا کچھ سامان کریں؟

مگر ادھر سے خاصا پریشان کن جواب آیا:

''کیا بتاؤں آپ کو.... سر کھجانے کی فرصت نہیں، میاں زوم پر کلاسیں لے رہے ہیں، اور بچوں کی زوم پر آن لائن کلاسیں ہو رہی ہیں۔ چھوٹے بچوں کے ساتھ مسلسل بیٹھ کر کلاس اٹینڈ کرنی پڑتی ہے... پھر ان کا کلاس ورک کروانا، اس کی تصویریں بنا کر ٹیچر کو بھیجنا، پھر انہیں درست کروانا، اور مکرر تصویریں بھیجنا... ایک کا کام مکمل نہیں ہوتا کہ دوسرے کا شروع ہو جاتا ہے... گود کا بچہ الگ تنگ کرتا ہے۔ پہلے اسے باہر بھی گھما لاتے تھے لیکن اب تو باہر بھی خطرہ ہے! اور کیا بتاؤں آپ کو، ہمارے گھر کئی دن سے کھانا بھی نہیں پکا، بچوں کا ہوم ورک کرواؤں یا کچن دیکھوں، ملازم تنخواہ لے کر چھٹی گزار رہا ہے، اور ہم ڈسپوزایبل برتنوں میں کھانا کھا رہے ہیں، اس ''احتیاط اور فاصلے'' کے قانون نے ہمارا تو بھرکس نکال دیا ہے!''

ہم نے دل کی دل میں ہی رکھی اور فون منقطع کر دیا۔

ہم ''لاک ڈاؤن'' شروع ہونے سے کچھ پہلے ہی چہل قدمی کر کے واپس لوٹ آتے تھے، اردگرد کے متحرک مناظر تیزی سے ساکت ہو رہے تھے، واکنگ ٹریک پر پہنچتے تو ہو کا عالم دکھائی دیتا، نہ وہ خواتین نظر آتیں جو تیز تیز قدموں سے ہم سے آگے نکل جایا کرتی تھیں، نہ سائیکل دوڑاتے بچے دکھائی دیتے اور نہ تیزی سے جاگنگ کرتے نوجوان!

ہم شام ڈھلے واپس لوٹتے تو مغرب کی اذان ہو رہی ہوتی جس کی ندا میں بھی فاصلے کی پکار تھی۔ جبھی تو موذن کی آواز رقت انگیز ہو جاتی اور کانوں میں آنے والی آواز دل کو بھی بھاری کر دیتی۔

''صلّوا فی بیوتکم ''(اپنے گھروں میں نماز پڑھ لو)

میں بوجھل قدموں سے واپس لوٹ آتی اور شوہر صاحب راستے کی مسجد کے امام کے واحد مقتدی بن کر نماز ادا کر لیتے! لیکن آخر کب تک، ایک روز انہیں بھی روک دیا گیا۔ اب نمازیں گھر میں ادا ہوتیں، وہ امام اور ہم مقتدی!

بے قراری سی بے قراری ہے
وصل ہے اور فراق طاری ہے

ایک دن ہم گھر سے باہر چہل قدمی کر رہے تھے کہ ہماری پیاری سی باجی کی کال آئی۔ ہم نے جھٹ فون وصول کیا۔ ان کی آواز نے ہماری محبت کی بھی جوت جگا دی، بولیں:

''کہاں ہیں؟ واک کر رہی ہیں؟ ذرا ہمارے گھر تک آئیں گی؟''

آپ بلائیں ہم نہ آئیں، ایسے تو حالات نہیں

ہماری زبان کی گنگناہٹ پر دل بھی جھوم جھوم گیا، ہمارے قدموں میں ذرا تیزی آ گئی۔ انہوں نے بات آگے بڑھائی:

'' زردہ بنایا ہے، آپ کی بلڈنگ کے مکینوں کے لیے، لے جائیے''۔

ہم نے ابھی دوہری خوشی کا اظہار بھی نہ کیا تھا کہ انہوں نے بات مکمل کر دی۔

''میں بیرونی دروازہ کھول رہی ہوں، بس وہیں سے کھانا اٹھا کر لے جائیے گا''۔

''آپ سے ملے بغیر؟''

ہمارے دل میں چھن کر کے کچھ ٹوٹ گیا۔ بولیں:

''جی ہاں! ہم عمر کے اس حصّے میں کوئی رسک نہیں لے سکتے، آپ کو تو پتا ہے نا، عمر رسیدہ لوگ زیادہ خطرے میں ہیں''۔

ہمارے قدم سست ہوئے اور پھر گھر لوٹ آئے۔ میاں صاحب جا کر زردہ لے آئے جو ہم نے بلڈنگ میں تقسیم کر دیا اور ہمیں تو کافی پھیکا لگا، (شاید اس لیے کہ ہمارے منہ کا ذائقہ ہی پھیکا ہو گیا تھا)۔

پہلے تو ترکِ تعلق کی وبا پھیلے گی
پھر محبت کا بھی انکار کیا جائے گا

ہم سر منہ ڈھانپے سودا سلف لینے قریبی مال پہنچے تو داخل ہوتے ہی استقبالیہ کاؤنٹر نظر آیا جہاں ایک آلے سے ہمارے جسم کا درجہِ حرارت مانیٹر کیا گیا، کسی روایتی تھرمامیٹر سے نہیں، بلکہ ایک جدید مقیاسی آلے سے، اور سر کے اشارے سے آگے چلنے کا عندیہ دیا گیا۔ اگلے کاؤنٹر پر سینی ٹائزر کا اہتمام تھا، اس سے ہاتھوں کو جراثیم سے پاک کر چکے تو ساتھ ہی پولی تھین دستانوں کا ڈبہ رکھا تھا، ایک ٹشو پیپر کا ڈبہ بھی! سارے اہتمامات کے بعد مطلوبہ مرکز میں پہنچے تو یہاں بھی وہ سارے انتظامات موجود پائے جن سے پاک صاف ہو کر ہم یہاں تک پہنچے تھے۔ ٹرالی کی جانب بڑھے تو ایک اہلکار نے اس کے ہینڈل کو سینیٹائز کر کے ہمارے حوالے کر دیا۔ اب ہم لگے بڑی احتیاط سے ٹرالی بھرنے۔ پوری کوشش تھی کہ فقط اسی شے کو چھوئیں جس کے بغیر گزارا مشکل ہے اور جسے لینا ہماری اشد ضرورت ہے۔ اسے کم سے کم ''ٹچ'' سے اٹھائیں اور فوراً ٹرالی میں انڈیل لیں۔ سب سے زیادہ مشکل تو سبزی اور پھل خریدنے میں ہوئی، ہم جو بڑی چھان پھٹک سے خریداری کرتے ہیں کسی طرح خود کو آمادہ نہ کر پا رہے تھے کہ جیسا کچا پکا پھل ہاتھ میں آ جائے اسی پر قناعت کر لیں مگر شہر کے بدلے ہوئے تیور دیکھ کر من مانی کی ہمت بھی نہ ہو رہی تھی۔ دستانوں کے ساتھ پولی تھین شاپرز کو کھولنا بھی ایک دقت طلب کام تھا۔ ہم نے

دیکھا کہ کچھ گاہکوں نے ایک ایک دستانہ اتار دیا ہے!

باہر نکلے تو ایک پاکستانی صاحب مل گئے، زبانی طور پر پرجوش سلام کے عقب میں دیکھا تو مصافحے کے لیے ''کہنی'' آگے بڑھا رہے تھے، بالکل وہی منظر، جیسا بچپن میں شرارت میں کچھ بچے ہاتھ کے بجائے کہنی آگے کر دیتے تھے۔

افسوس یہ وبا کے دنوں کی محبتیں
اک دوسرے سے ہاتھ ملانے سے بھی گئے

زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ ہمیں بلڈ شوگر ٹیسٹ کروانے کے لیے ہسپتال جانا پڑا۔ ہم ''احتیاط اور فاصلے'' کا سبق دہراتے ہسپتال کی او پی ڈی میں پہنچے۔ ابھی ہم نے اندر قدم بھی نہ رکھا تھا کہ سیکیورٹی نے ہمیں روک لیا۔ اس کے ساتھ دو کیموفلاج ڈاکٹرز آگے بڑھے کہ ایسی کیا ایمرجنسی ہے کہ آپ ہسپتال ہی آ گئے۔ ہمیں سمجھ نہیں آ رہی تھی انہیں کیسے بتائیں کہ اتنے میں ہمارے خیر خواہ ڈاکٹر صاحب باہر آ گئے۔ وہ ہمیں اپنی ذمہ داری پر اندر لے گئے اور ٹیسٹ کروا کر باہر چھوڑ گئے۔ ہسپتال میں جگہ جگہ نئی ہدایات آویزاں تھیں جن میں نمایاں طور پر ''سلام النظر'' بھی تھی، یعنی غضِ بصر کی بجائے سلامتی کا تمام پیغام چینی منی سی آنکھوں سے پہنچانا ہے۔ معلوم ہوا کہ مزاجِ شہر آج برہم ہے، اسی احتیاط کے سلسلے میں ہسپتال نے اپنی او پی ڈی بھی بند کر دی ہے۔ اگلے کئی روز تک معزز ڈاکٹر صاحبان کھلے میدان تلے مریضوں کا معائنہ کر رہے تھے، کیونکہ ایک کورونا پازیٹو خاکروب نے پورے ہسپتال کا نظام تلپٹ کر ڈالا تھا۔

ہمارے ایک محترم نے میاں صاحب کو فون کیا، آپ بازار میں ہیں تو کچھ سامان ہمارا بھی لے آیئے۔ حسنِ اتفاق سے ہم بھی ہمراہ تھے، انہیں سامان دینے گئے تو میاں صاحب نے کہا:

''جایئے آپ بھی اندر جا کر سلام کر لیجیے''۔ ہم تھوڑا سا جھجکے کہ پہلے اندر اجازت تو لے لیں، مگر صاحبِ خانہ نے ہمیں اندر جانے کا اشارہ کیا۔

ہم اندر داخل ہوئے تو ہمیں جگہ جگہ سامان کے ڈھیر دکھائی دیے۔ کہیں پیاز کی ڈھیری ہے اور کہیں لہسن کی، کہیں چاولوں کی تھیلی اور کہیں دالیں! زینے کے کچھ قدم چڑھے تو شیمپو، صابن، اور بلیچ کی بوتلیں نظر آئیں۔ ایک جانب ٹشو پیپر کے ڈبے حتیٰ کہ سینی ٹائزر کی بوتلیں بھی وہیں محوِ استراحت پائیں۔ ہم بھی لاؤنج کے دروازے پر پہنچ کر کھڑے ہو گئے۔ سوچ رہے تھے شاید ہمیں بھی قرنطائن کیا جائے گا، یا سینیٹائیزر سے پاک و مطہر کیا جائے گا۔ دیوار سے چپکے کھڑے تھے کہ اندر سے آواز آئی:

آ جائیں بھابھی! ہم نے جوتے اتارنے چاہے تو وہ ہمیں باصرار اندر لے گئیں۔ ہم ابھی فیصلہ نہ کر پائے تھے کہ ہاتھ آگے کریں یا کہنی، کہ انہوں نے ہاتھ بڑھا کر ہمیں گلے لگا لیا۔ ہم نے بتایا بھی کہ بازار سے ہو کر آ رہے ہیں، اگرچہ ہم تو گاڑی ہی میں بیٹھے رہے، مگر انہوں نے ہمیں بڑے تپاک سے صوفے پر بٹھا لیا۔

شہر تو نئے مزاج ہی کا ہے، اور فاصلے بھی باقاعدہ ماپ تول کر پیدا کر لیے گئے ہیں، اور ہماری میزبان بھی بڑی محتاط سی ہستی ہیں، مگر اقبال کا ایک شعر نئے مزاج کے شہر پر یہ کہہ کر غالب آ گیا:

اچھا ہے دل کے ساتھ رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

☆☆☆

سعودی عرب میں رہنے کا تجربہ

سعودی عرب آ کر کچھ چیزوں اور معاملات کے مختلف پہلوؤں کو دیکھنے کا موقع ملا۔

مثلاً یہاں آ کر پہلی بار اندازہ ہؤا کہ گہری رنگت اور افریقی نقش ونگار کس قدر خوبصورت ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر خطے کو مختلف انداز کا حسن بخشا ہے۔ افریقہ سے تعلق رکھنے والے افراد کے خدوخال اور جلد میں مضبوطی کا تاثر پایا جاتا ہے۔ جب میں نئی نئی آئی تھی تو ہسپتال میں میرے پاس ایک دلچسپ سرگرمی تھی، مختلف افراد کی عمروں کا اندازہ لگانا، جو میں سو فیصد غلط لگاتی تھی۔ مثال کے طور پر ہمارے شعبے کے سب سے سینئیر ڈاکٹر رابرٹ یوگنڈا سے تعلق رکھتے تھے، انہوں نے پوسٹ گریجویشن برطانیہ سے کی تھی۔ اب تقریباً پینتیس سال سے سعودی عرب میں ملازمت کر رہے تھے۔ ان کی عمر ستر سال سے زیادہ تھی، لیکن وہ بہت کم عمر لگتے تھے۔ اس کی وجہ ان کی توانا اور تازہ جلد، اور مضبوط ہڈیاں تھیں۔ اگرچہ ان کا قد لمبا نہیں تھا اور ان کو شوگر بھی تھی۔ لیکن اپنی چستی اور کام میں دلچسپی کی وجہ سے کبھی محسوس نہیں ہؤا کہ وہ عمر رسیدہ ہیں۔ اسی طرح ہماری ساؤتھ افریقی، چینی اور ملیشیئن مڈوائف کا بھی یہی معاملہ تھا۔ سعودی بھی نسبتاً کم عمر لگتے ہیں۔ اس کی ایک وجہ شاید اچھی خوراک اور آرام دہ ماحول بھی ہو۔

افریقی ممالک سے تعلق رکھنے والے کولیگز کو دیکھ کر ایک اور طرح کے حسن کا احساس ہوتا تھا۔ ان کے چہرے اور اعضا ان کے جلد کے رنگ کے ساتھ نہایت دلکش لگتے ہیں۔ ہماری ساؤتھ افریقی مڈوائفز جب چھٹی گزار کر آتی تھیں تو اپنے بے حد گھونگھریالے بالوں کا سٹائل بھی اکثر تبدیل کر کے آتی تھیں۔ ان کے بالوں کو سٹائل کرنے والے پارلر سعودی عرب میں کم تھے۔ کئی بار وہ ARAMCO کے کمپاؤنڈ میں بال سٹائل کروانے جاتی تھیں۔ وہاں ایک ایسا پارلر تھا جہاں ان کے بالوں کی ماہرانہ آرائش ہوتی تھی۔

ہماری نرسنگ ڈائریکٹر آئرش تھی اور سارا ہسپتال اس سے ڈرتا تھا، ڈاکٹروں سمیت، اور میرے علاوہ۔ یقین جانیے ایسا ہی تھا۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو کافی ناپسند کرتی تھیں لیکن پیشہ ورانہ طور پر چونکہ ہم دونوں ہی مضبوط تھیں، اس لیے ایک دوسرے کو صرف عارضی نقصان ہی پہنچا سکتی تھیں۔ اس کا موقع بھی مجھے زیادہ ملتا تھا اور اس میں اس کے غصیلے مزاج اور اس کی نرسوں کی بلا ثبوت رپورٹنگ کا بڑا ہاتھ ہوتا تھا۔ جب ہمارے کسی ڈاکٹر کی غلطی ہوتی تھی تو معاملہ ہاتھ سے نکلنے سے پہلے ہی میں اس سے معذرت کر لیتی تھی۔ لیکن ہمارا وقت اچھا گزرا اور میرے وہاں ملازمت کے آخری دور میں ہمارے درمیان اچھی مفاہمت ہو گئی تھی۔ نرسوں نے تو مجھے رو رو کر رخصت کیا۔ نئے سال اور کرسمس کے لیے نرسنگ ڈائریکٹر پہلے دبئی اور اب ابوظہبی جایا کرتی تھی۔ اس کی والدہ بھی آئرلینڈ سے وہیں آ جاتی تھی۔ بحیثیت مجموعی وہ اچھی منتظم تھی، اور اپنا کام محنت سے کرتی تھی۔ اکثر ہم دونوں کی ملاقات پانچ بجے کے آس پاس ہوتی تھی۔ ایسا تب ہوتا تھا جب میں بھی ساڑھے چار کی بجائے دیر سے فارغ ہوتی تھی اور یہ اتفاق اکثر ہونے لگا تھا۔ کبھی کبھی تو میں سات بجے فارغ ہوتی تھی۔ وہ روٹین میں ہی شام پانچ بجے گھر جاتی تھی۔

دوسری چیز جو مجھے سعودی عرب میں آ کر پتہ چلی وہ انگریزی کے مختلف لہجے اور تلفظ تھے۔ ہم وطن عزیز میں انگریزی کے غلط ہو جانے سے بہت گھبراتے ہیں۔ سعودی عرب میں سب ایسی ہی انگریزی بولتے تھے اور کوئی اس بات سے نہیں گھبراتا تھا۔ اس لیے کہ انگریزی کسی کی بھی مادری زبان نہیں تھی۔ کچھ عرب ممالک میں جیسے شام، میں تو طب کی مکمل

تعلیم عربی میں ہے اس لیے ان کی انگریزی سب سے کمزور ہوتی تھی۔ اس پر لہجے کا فرق اور الفاظ کو مختلف طریقے سے ادا کرنا، جیسے P کو B اور ch کوش کے طور پر ادا کرنا۔ بلڈ پریشر، بلد بریشر بن جاتا تھا اور چیک، شیک بن جاتا تھا۔ اکثر اوقات لکھنے میں بھی ایسا ہی لکھا جاتا تھا۔ اب بھی ہماری ڈاکٹرز جب نوٹس لکھتی ہیں تو اس میں ایسی بے شمار غلطیاں ہوتی ہیں، جنہیں میں اندازے سے درست کر کے پڑھتی ہوں۔ گرائمر کے اعتبار سے بھی غلط انگریزی بولنے پر کوئی کسی کو شرمندہ نہیں کرتا تھا۔ ہمارے سعودی مدیر بھی انگریزی بعض اوقات اچھی طرح نہیں بول سکتے تھے، لیکن وہ اس کی وجہ سے کسی احساس کمتری کا شکار نہیں ہوتے تھے اور نہ اس سے ان کا کام متاثر ہوتا تھا۔ سرکاری طور پر سب خط و کتابت عموماً انگریزی میں ہوتی تھی۔ سیکریٹریز کی اکثریت فلپائنی تھی۔ اب چونکہ سعودی شہریوں کو ملازمت دینے کی پالیسی حکومت نے اپنائی تھی تو کافی نئی سیکریٹری سعودی لڑکیاں اور چند سعودی لڑکے بھی تھے۔ ایک بار میری بیٹی ڈاکٹر کو دکھانے گئی، اس نے اس سے ہسٹری لی۔ یہ جب خوب بول بال کے فارغ ہوگئی تو ڈاکٹر مجھے کہتا ہے کہ مجھے تو اس کی کچھ سمجھ نہیں آئی کہ اس نے کیا کہا ہے۔ یہ امریکی سکول میں تھی اور اسی طرح اسی لہجے میں اس نے اپنی پوری ہسٹری بیان کی۔ میں نے ڈاکٹر کو مختصراً ساری بات دوبارہ بتائی تا کہ وہ سمجھ سکے۔ ہماری نرسنگ ڈائریکٹر ایک دن مجھے کہنے لگی کہ میں بہت سادہ انگریزی بولتی ہوں تا کہ سب کو سمجھ آ جائے۔ اب نئی سعودی نسل انگریزی بولنا پسند کرتی ہے، سرکاری سکولوں میں اب شروع سے انگریزی پڑھائی جا رہی ہے۔ سعودی لڑکیاں بہت محنتی ہیں اور کام میں لڑکوں کی نسبت زیادہ دلچسپی لیتی ہیں۔

تیسری بات جو بے حد دلچسپ ہے، وہ یہ تھی کہ عربوں کی روزمرہ بول چال کی زبان فصیح عربی یا لکھنے والی عربی سے مختلف ہے۔ پہلے ہی دن میں نے جو الفاظ سنے ان میں سے چند الفاظ کی تو کچھ سمجھ نہ آئی کہ یہ کون سی زبان کے الفاظ ہیں۔ عربی کے تو وہ مجھے بالکل نہیں لگے، مثلاً ''آئیوا''۔ یہ ہمارے ہاں کے اچھا کی طرح بار بار گفتگو میں استعمال ہو رہا تھا، لیکن مجھے یہ کہیں سے بھی عرب لفظ نہیں لگ رہا تھا، پتہ نہیں کیوں۔ اسی طرح دوسرا لفظ تھا ''کویس''۔ اس سے ملتے جلتے نام کا ہمارے ہاں ایک لال مشروب ہؤا کرتا تھا۔ اس کا مطلب کچھ ''ٹھیک ہے'' یا ''او کے'' کی طرح کا تھا۔ ایک لفظ نے تو مجھے خوب الجھایا اور وہ تھا ''باگی''۔ کسی کام کا پوچھو تو جواب باگی، مریض کا خاوند کچھ پوچھے تو جواب باگی، فون آئے کہ ولادت ہوگئی یا نہیں تو جواب ہوتا باگی۔ آخر کار بڑے عرصے بعد یہ عقدہ کھلا کہ یہ ''باگی'' ''تو اپنا'' ''باقی'' ہے اور اس کا وہی مطلب ہے جو زبان اردو میں ہے۔ پہلے دو الفاظ کے بارے میں ابہام کا تعلق بول چال اور فصیح عربی میں فرق کی بنا پر تھا۔ یہ دونوں الفاظ تحریری زبان میں نہیں ملیں گے لیکن عام زندگی میں ان کے بغیر گزارا نہیں۔ تیسرے لفظ کا تعلق تلفظ کے فرق کی بنا پر ہے۔ ق چونکہ حلق سے نکلتا ہے، اور اس کا تلفظ مشکل ہے اس لیے عام گفتگو میں اور کم پڑھے لکھے افراد اس کو گ کے ساتھ تبدیل کر دیتے ہیں۔ ہم تو شش و پنج میں پڑے رہے کہ بھئی ''گ'' تو عربی میں ہے ہی نہیں، یہ ''باگی'' کہاں سے آ گیا۔

یہ سن کر بڑی تسلی ہوئی کہ غلط العام کا رواج صرف ہمارے ہاں ہی نہیں ہے، یہاں پر بھی ہے۔ فاطمہ کو یہاں بھی ط کے نیچے زیر کے بغیر ہی بولا جاتا ہے۔ اسی طرح سعودی عرب میں اور مصر میں کچھ ناموں کو مختصراً بولا جاتا ہے۔ جیسے سعودی مائیں اپنے ''عبداللہ'' نام کے بیٹے کو ''عبودی'' کہتی ہیں۔ فاطمہ کو ''فطوم'' کہا جاتا ہے، جس کا مطلب چھوٹی فاطمہ ہے۔ مصری اور سوڈانی فاطمہ کو پیار سے ''بطہ'' یعنی بطخ کہتے ہیں۔ میں بھی اپنی ایک سوڈانی ڈاکٹر کو ابھی تک ''بطہ'' کہتی ہوں۔ آجکل وہ سوڈان میں ہے۔

میرے نام کے ساتھ بھی بہت دلچسپ واقعات ہوئے۔ ایک تو سعودی ادب و احترام کے لیے بہت سابقے لاحقے نہیں لگاتے۔ جیسے مریض اکثر میرا نام لیتے تھے۔ کبھی خالی فائقہ اور کبھی دکتورہ فائقہ۔ اور ''فائقہ'' کو ''فاگہ'' بولتے تھے۔ مصری ''ج'' کو ''گ'' بولتے ہیں اور ''ق'' کو بولتے ہوئے کھا جاتے ہیں۔ میرے ساتھ ایک مصری کنسلٹنٹ تھے، عمر میں مجھ سے کافی بڑے، وہ مجھے فائیہ کہتے تھے۔ باقی مصری چونکہ جونیئر تھے یا میرے ہم عمر، اس لیے وہ بیچارے اپنی زبان کو مشقت میں

ڈال کر مجھے فائقہ ہی بلاتے تھے۔انگریزی میں لکھتے ہوئے نام انہی ہجوں کے ساتھ لکھا جاتا ہے جیسے بولا جاتا ہے۔مثال کے طور پر ''جمال'' کو ''گمال'' بولا جاتا ہے اور انگریزی میں اسے Gamal لکھا جاتا ہے، Jamal نہیں۔میرے ساتھ ایک اینستھیٹسٹ ہے،اس کا نام ہے''احمد جبل''لیکن وہ اپنا نام بتاتا ہے''احمد گبل''۔ ہمارے روٹا میں اس کا نام GabalDR لکھا جاتا ہے۔اسی طرح ''طارق'' کو''طارگ'' بولتے اور انگریزی میں Tarig لکھتے ہیں۔اسی طرح کا سلوک ض،ذ، اور ظ کے ساتھ بھی کیا جاتا ہے۔عربی زبان کو''لغۃ الضاد'' بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ یہ واحد زبان یا لغت ہے جس میں ''ضاد'' کو''داد'' بولا جاتا ہے،لیکن بولنے میں اسی تلفظ کے حامل باقی الفاظ کو بھی شامل کر لیا جاتا ہے۔ پھر جب یہ الفاظ انگریزی میں لکھے جاتے ہیں تو انگریزی ہجے بھی اسی بدلے ہوئے تلفظ کو ادا کرتے ہیں جیسے ''ظہران'' کو Dhahran لکھا جاتا ہے۔''ظہر'' کوDhuhur لکھا جاتا ہے۔

ایک اور مشاہدہ جو یہاں آ کر ہوا وہ عربوں کا آپس میں مضبوط تعلق تھا۔سعودی پاکستانیوں کے ساتھ بہت اچھا رویہ رکھتے ہیں۔عربوں کو زبان پر عبور کی وجہ سے روابط رکھنے میں آسانی ہوتی ہے۔وہ اپنے جیسا کسی کو نہیں سمجھتے، اس معاملے میں اردنی پہلے نمبر پر ہیں۔فلسطینیوں کی شہرت بھی کچھ بہت اچھی نہیں ہے۔وہ آپ کے سامنے بہت خوش مزاج اور عمدہ رویہ رکھیں گے،لیکن اگر آپ انتظامیہ پر کوئی تبصرہ کریں گے تو وہ آپ کے تصور سے بھی پہلے متعلقہ جگہ پر پہنچ جائے گا۔اسی طرح میرے سامنے کچھ مصری کولیگز انتظامیہ کے بارے میں خوب دل کی بھڑاس نکالتے تھے۔ایک بار ایسا کرتے ہوئے بیچ میں متعلقہ فرد کا فون آ گیا۔فون پر انہوں نے اس طرح یوٹرن لیا اور اس قدر عاجزی اور اخلاق کے ساتھ گفتگو کی کہ میں کافی حیران ہوئی۔آپس میں یہ عرب ہم وطن ایک دوسرے کو بہت سپورٹ کرتے ہیں۔اس معاملے میں سوڈانی پہلے نمبر پر ہیں۔وہ ہفتہ وار میٹنگ کرتے ہیں اور اس میٹنگ میں ان کا ہر فرد شریک ہوگا چاہے وہ معمولی درجے کا ملازم ہے یا سب سے اعلیٰ عہدے پر فائز ہے۔

بہرحال عرب نیشنلزم کے مضبوط ہونے کا اندازہ دیکھ کر زیادہ ہوا۔خطبہ حجۃ الوداع کی سمجھ بھی بہت اچھی طرح آئی کہ کیوں اس بات کی تاکید کی گئی کہ کسی عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر فوقیت نہیں ہے۔عجمیوں کے بھی یہاں مسائل ہیں۔ان کا ذکر اس لیے نہیں کر رہی کہ اپنے مزاج اور طبیعت کو ہم خود اچھی طرح جانتے ہیں۔اس سب کے باوجود سعودی عرب نے ان کو ایک لڑی میں پرویا ہوا ہے۔

اب بارے کچھ یہاں کے معاشرتی نظام کا بیاں ہو جائے۔

سعودی عرب کے معاشرتی نظام کے بارے میں ہم بہت نہیں جانتے۔

میرے ذہن میں یہ غلط فہمی تھی کہ سعودی عرب میں مرد کم ہیں اور عورتیں زیادہ لیکن ابھی گوگل کیا تو معاملہ برعکس ہے،اور مرد تعداد میں کچھ زیادہ ہی ہیں۔

عربوں میں کثیر الازدواجی کا رواج آجکل تو سعودی عرب ہی میں ہے۔ باقی عرب ممالک میں ہمارے جیسی ہی صورتحال ہے۔اور سعودی عرب میں یہ رواج اسلام سے پہلے کا ہے، جسے اسلام نے احسن صورت میں برقرار رکھا۔اسلام کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ جو مقامی رواج مفید ہو،اسے نہ چھیڑا جائے۔یہی اصول ہمارے معاشرے پر بھی لاگو ہوتا ہے۔ضروری نہیں کہ اگر سعودی ایک سے زیادہ شادیاں کرتے ہیں تو ہمارے ہاں بھی ایسا ہی ہو۔ ہماری معاشرتی زندگی کئی اعتبار سے سعودی عرب سے مختلف ہے۔

سعودی عورتیں بھی دوسری اور تیسری شادی پر ناراض ہوتی ہیں اور اس ناراضگی کا اظہار بھی کرتی ہیں۔ یہاں یہ بات بہت مشہور ہے کہ سعودی عورت مرد کے پاس پیسے نہیں ٹکنے دیتی کہ وہ دوسری شادی نہ کر لے۔سعودی عورت دل کھول کر شاپنگ کرتی ہے، ریسٹورانٹ میں دل کھول کر کھانا منگاتی ہے.....اسی لیے فیملی والے ریسٹورنٹ زیادہ چلتے ہیں.....اور اپنے طریقے سے مرد کو اس کوشش سے دور رکھنے کی پوری کوشش کرتی ہے۔میری ایک مریضہ آنول نیچے ہونے کی وجہ سے بلیڈنگ کے ساتھ ہسپتال میں داخل تھی۔وہ بار بار گھر جانے کی ضد کرتی تھی۔ وجہ اس کی فلپائنی ملازمہ اور اس کا شوہر تھے جو گھر میں اکیلے تھے۔ یہ مسئلہ

سعودی عرب میں کافی اہم ہے۔ اسی طرح ایک اور مریضہ ہسپتال میں داخل تھی تو اس کے شوہر نے پیچھے سے دوسری شادی کر لی۔

اسی طرح عمر رسیدہ مردوں کی دوسری یا تیسری بیوی کے بھی بہت مسائل ہوتے ہیں۔ مثلاً شوہر پچاس یا زیادہ سال کا اور بیوی بیس سال کی۔

بہر حال سعودی معاشرہ اس رواج کا صدیوں سے عادی بھی ہے اور سعودی مرد معاشی طور پر بہت خوشحال بھی ہیں، ان پر اتنی ذمہ داریاں نہیں جتنی ہمارے مردوں پر ہیں۔ پھر ان کا گھریلو نظام اتنا جوائنٹ نہیں جتنا ہمارا ہے۔ بیوی کو اپنے حقوق اچھی طرح پتہ ہوتے ہیں۔ الگ گھر اور اس کے اخراجات ضروری ہوتے ہیں۔ ماں کا احترام اپنی جگہ اور بہت ہے، لیکن بیوی کے حقوق اپنی جگہ۔ حق مہر کے بغیر نکاح نہیں ہوتا اور یہ عورت کی حیثیت اور مرد کی توفیق کے مطابق ہوتا ہے۔ تحفے تحائف اور ہنی مون اس کے علاوہ ہیں۔ ہماری نرسوں نے بھی ہنی مون یورپ اور بالی وغیرہ میں منائے۔ اب اس مثال کو اپنے معاشرے پر منطبق کریں تو ہمارے ہاں عورت ہی سب سے زیادہ بچت کرتی ہے، گھر کے لیے، تحفے تحائف کے لیے، بچوں کے مستقبل کے لیے، اور ہر کام کے لیے۔ سعودی عرب میں جڑواں بچوں کے لیے مریض فرمائشیں کرتی ہیں، اور ہمارے ہاں ایسی ماؤں کی رات کی نیند حرام ہو جاتی ہے اس لیے کہ اسے سارا کچھ بھی سنبھالنا ہے اور جڑواں بچے بھی۔ ہمارے ہاں تحریکی گھرانوں میں بھی حق مہر کم ہی مقرر کیا جاتا ہے۔

اسی طرح طلاق سعودیہ میں ایک عام بات ہے، سوشل سٹگما نہیں۔ خواتین بڑے آرام سے بتا دیتی ہیں کہ میں divorcee ہوں یا میں خاوند سے الگ ہو گئی ہوں۔ اسی طرح طلاق شدہ عورت سے شادی بھی یہاں معیوب نہیں۔ میری کئی مریض ایسی بھی ہیں جنہوں نے اپنی چوائس سے طلاق لی کیونکہ شوہر اچھا نہیں تھا، خیال نہیں رکھتا تھا یا طبیعت اور مزاج نہیں مل پائے، اور ان کی اچھی جگہوں پر دوبارہ شادیاں ہو گئیں۔ ایک ایسی لڑکی کی تو ہمارے ایک سعودی جنرل سرجری کے ریذیڈنٹ سے شادی ہوئی۔ وہ بہت اچھا لڑکا تھا۔ usmle کر کے امریکہ میں ٹریننگ کرتا رہا، پھر کچھ عرصہ کے لیے سعودی عرب آ گیا۔ وہ لڑکی ذرا مشکل مزاج تھی۔ اس کا پہلا بچہ بھی ہمارے پاس ہوا تھا، پہلی شادی سے۔ اور دوسری شادی کے بعد بھی پریگننسی میں وہ ہماری مریضہ تھی۔ اس کا دوسرا شوہر اس کا بیحد خیال رکھتا تھا اور اس کے مزاج کی رعایت بھی کرتا تھا۔ نئی شادی کے بعد اس لڑکی کے مزاج میں بھی بہت مثبت تبدیلی آئی۔

میری ایسی کئی مریض ہیں۔ آج کل میری ایک مریضہ ہے جس کے پہلی شادی سے تین بچے تھے۔ اس نے شوہر سے طلاق لے لی کیونکہ وہ اچھا نہیں تھا، اور اسی وجہ سے اس نے دو بار خود سے اسقاط حمل بھی کرا دیا۔ میں نے جب ہسٹری لیتے ہوئے ابارشن کی وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ پہلا ابارشن تو اللہ کی طرف سے ہو گیا تھا، باقی دو میں نے خود کروائے کیونکہ میرا خاوند اچھا نہیں تھا اور میں اس کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی تھی۔ اب وہ حاملہ ہے اور بچے کے لیے اس کے دل میں بہت چاہت ہے، اس لیے کہ خاوند اچھا ہے۔ اسی طرح ایک اور فیملی ہے جس میں خاتون کی پہلے شوہر سے دو بیٹیاں ہیں اور دوسری شادی کے بعد اب یہ اس کا پہلا حمل ہے، وہ سب ہر اپائنٹمنٹ پر آتے ہیں۔ اسی طرح میری ایک اور مریض کا ایک ہی بیٹا تھا اور اسے Endometriosis تھی جس میں حمل کے امکانات کم ہو جاتے ہیں۔ اس کے شوہر نے ایک اپائنٹمنٹ پر بتایا کہ یہ اس کا بیٹا نہیں بلکہ اس کی بیوی کی پہلی شادی سے ہے۔

کئی بار تو مرد چھوٹا ہوتا ہے اور عورت بڑی عمر کی۔ خصوصاً دوسری شادی کے لیے جو عورت کی مرضی اور پسند سے ہوتی ہے۔ ویسے بھی ہم سب کو علم ہے کہ مطلقہ اور بیوہ نکاح کے لیے اپنی ولی خود ہوتی ہے۔

بچوں کا خرچ باپ کے ذمے ہوتا ہے۔ مختلف صورتیں ہیں۔ بچے ماں کے پاس بھی رہتے ہیں اور باپ کے پاس بھی۔ حکومت کی سپورٹ بھی بہت ہے۔ سرکاری سکول بہت اپ ٹو ڈیٹ ہیں اور بالکل مفت، ناشتے، سنیکس سمیت۔ صحت کی بہترین سہولت، اور بھی کئی چیزیں مفت۔ ہمارے ایک ڈاکٹر صاحب کہتے تھے، سعودی صرف صابن اور شیمپو خود خریدتے ہیں، باقی سب تو انہیں حکومت مہیا کرتی ہے۔

باقی قوانین کی طرح اسقاط حمل کا قانون بھی شرعی ہے، اور اس کی اجازت نہیں ہے۔ عموماً خواتین فیملی پلاننگ کے لیے بروقت مشورہ

لے لیتی ہیں، اس لیے بے سوچے سمجھے (unplanned) حمل کا تناسب بہت کم ہے۔ لیکن کچھ راستے تو دنیا میں ہر جگہ ہوتے ہیں۔ کچھ خواتین اس کام کے لیے بحرین چلی جاتی ہیں، یا کسی طریقے سے دوائی حاصل کر لیتی ہیں، لیکن ایسے واقعات میرے علم کے مطابق نہ ہونے کے برابر ہیں۔ دو واقعات مجھے یاد رہیں گے۔ ایک بار ایک مریضہ ہمارے ہسپتال میں داخل ہوئی۔ اس کا ابتدائی تین مہینے کا حمل تھا اور اسے بلیڈنگ ہو رہی تھی۔ جب ڈاکٹر نے چیک کیا تو اندرونی جسم سے دو گولیاں برآمد ہوئیں۔ ان دو گولیوں کی تصویر ابھی بھی میرے پاس ہے۔ تفصیلات کے مطابق اس کی حال ہی میں شوہر سے طلاق ہوئی تھی، اس لیے وہ یہ حمل ختم کرنا چاہتی تھی۔ اس مقصد کے لیے اس نے کہیں سے دوا حاصل کر کے استعمال کر لی۔ میں ہسپتال کی Team Ethics کی لیڈر تھی اور معاملہ بھی میرے شعبے کا تھا، اس لیے خاتون سیکورٹی افسر کو ساتھ لے کر اس مریضہ سے بات کی۔ ہمارے ہسپتال کی Domestic violence &child abuse committee کے لیڈر ایک سعودی کنسلٹنٹ تھے، ان کو بھی صورتحال سے آگاہ کیا۔ ایسا کیس پہلی دفعہ ہمارے سامنے آیا تھا۔ انہوں نے ہیڈ کوارٹر ریاض سے رابطہ کیا۔ مریضہ کے ساتھ اس کا بھائی آیا تھا۔ سب سے مشورہ کر کے ہم نے مریضہ کے بھائی کو کہا کہ وہ مریضہ کو گھر لے جائے۔ اس وقت اس کی حالت ٹھیک ہے، اگر کوئی خطرے کی بات ہو تو اسے ایمرجنسی کے ذریعے واپس لے آئے۔ کیونکہ اگر ہم اسے داخل رکھتے ہیں تو ہمیں لازمی پولیس کو اطلاع کرنا ہوگی، اور پولیس اسے گرفتار کر کے لے جائے گی، کیونکہ یہ حمل گزشتہ شوہر سے ہے اور وہ اس پر کیس کر سکتا ہے۔ دوسری طرف اگر مریضہ ہسپتال میں رہتی ہے تو ہمارے لیے ضروری تھا کہ ہم پولیس کو اطلاع کریں۔ بھائی ساری بات کو سمجھ گیا اور مریضہ نے دستخط کر دیے کہ وہ اپنی مرضی سے گھر جانا چاہتی ہے۔

اسی طرح ایک دن ہماری ایک پاکستانی ڈاکٹر نے مجھے شام کو گھر فون کیا، وہ اس دن ڈیوٹی پر تھی۔ اس کے پاس ایمرجنسی میں ایک مریضہ آئی، جو غیر شادی شدہ تھی، اس کے ساتھ اس کی والدہ تھی۔ جب الٹراساؤنڈ ہوا تو پتہ چلا کہ وہ مریضہ تقریباً تین ماہ کے حمل سے ہے۔ اس کی ماں ڈاکٹر کے پیروں پر گر پڑی اور کہنے لگی کہ کسی کو نہ بتانا اور میری بیٹی کو داخل بھی نہ کرو، اس کا باپ اور بھائی اسے مار ڈالیں گے۔ میں نے ڈاکٹر سے کہا کہ اس کی رپورٹ اپنے پاس رکھو، فائل میں نہ لگانا اور نہ ہی سسٹم میں کچھ لکھنا، اور ان سے دستخط کروا کر انہیں جانے دو۔ اس دن دوسرا کنسلٹنٹ ڈیوٹی پر تھا۔ ہم نے اسے بھی کچھ نہیں بتایا۔ مریضہ اپنی والدہ کے ساتھ دستخط کر کے چلی گئی۔ ایمرجنسی کی کسی نرس کو پتہ چل گیا، اس نے اپنی سپروائزر کو اور اس نے نرسنگ ڈائریکٹر کو بتا دیا۔ نرسنگ ڈائریکٹر نے ہسپتال کے ڈائریکٹر کو بتا دیا۔

اگلے دن میری پہلی پیشی میڈیکل ڈائریکٹر کے پاس ہوئی۔ وہ پاکستانی تھے۔ انہوں نے بتایا کہ ہسپتال کا ڈائریکٹر بہت غصے میں ہے کہ لڑکی کو گھر کیوں بھیجا ہے، اس کے گھر والے اسے مار ڈالیں گے۔ میں نے انہیں بتایا کہ ہم نے جو کچھ کیا ہے قانون کے مطابق کیا ہے۔ میں نے پاکستان میں اس کے بارے میں ورکشاپس بھی اٹینڈ کی تھیں اور ملازمت کے دوران ایسے کیسز سے بھی واسطہ پڑتا تھا۔ پاکستان کا قانون اس بارے میں بہت اچھا ہے۔ سعودی عرب میں ایسے واقعات نہ ہونے کے برابر ہیں اس لیے ہائی کمانڈ سے رہنمائی لینا پڑتی تھی۔ بعض اوقات ہائی کمانڈ کا بھی ایسے کیسز سے واسطہ نہیں پڑتا تھا، تو پھر ہم international and Saudi guidelines کی روشنی میں فیصلہ لیتے تھے۔ انہوں نے مجھے کہا کہ ہسپتال کا ڈائریکٹر بہت ناراض اور فکرمند ہے، اس لیے تم اسے جا کر مل لو۔

میں ڈائریکٹر سے ملنے گئی، جو بریگیڈیئر تھا۔ اس نے ناراضگی کا اظہار کیا، اس بارے میں اس کا نقطہ نظر فقط ناقدانہ نہیں بلکہ متفکرانہ تھا۔ وہ اس لڑکی کی زندگی کے بارے میں فکرمند تھا۔ اس نے اتنے عمدہ طریقے سے مجھ سے بات کی اور اپنے خدشات مجھ تک پہنچائے کہ میں اسے کبھی نہیں بھولوں گی۔ اس نے مجھے کہا کہ تم اس لڑکی کو داخل کر لیتیں اور صبح ہم صورتحال کو ڈسکس کر لیتے کیونکہ دو دماغ ایک دماغ سے اور تین دماغ دو سے بہتر سوچ سکتے ہیں۔ میں نے اپنا نقطہ نظر پیش کیا اور وضاحت کی کہ داخل نہ کرنے کی اور ہارڈ فائل/سسٹم میں اس کی تشخیص نہ ڈالنے کی کیا وجہ

تھی۔اس نے مجھے یہ بھی کہا کہ تم نے جو کیا، مجھے پتہ ہے کہ اخلاص نیت سے کیا ہے اور تمہارا مقصد اس لڑکی کو تحفظ دینا تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ یہ معاملہ حل ہو گیا۔ہم نے دوبارہ guidelinesInternational کو پڑھا تا کہ غلطی ہے تو اسے درست کر لیا جائے ،لیکن الحمدللہ ہم نے جو کیا وہ گائیڈ لائن کے مطابق تھا۔اس کیس کے دوران ہمیں کئی کولیگز نے صورتحال اور سچ کو چھپانے کا مشورہ دیا تا کہ ہم اس تناؤ اور پریشانی سے بچ سکیں۔لیکن ایسا ممکن بھی نہیں تھا اور ہمیں اس کی پریکٹس بھی نہیں تھی۔ میں نے اپنی ڈاکٹر کو بھی یہی کہا کہ ہم نے سچ کہنا ہے اور سچ کے سوا کچھ نہیں کہنا۔اور اللہ نے ہماری لاج رکھ لی۔

سعودیوں کی ایک خوبی خوبصورت گفتگو اور تکلم ہے۔لمبی بات کو مختصر کر کے بیان کرنے، تلخ بات کو نرم لہجے میں بیان کرنے اور مشکل صورتحال کو حل کرنے میں سعودی ماہر ہیں۔ بات بات پر دعا دینا اور گفتگو کو اچھے الفاظ سے مزین کرنا بھی ان پر ختم ہے۔ جب کوئی مریض شکایت لے کر متعلقہ ڈائریکٹر کے پاس جاتا ہے تو وہ اس دھیان سے اور مؤدب ہو کر اس کی گفتگو سنتا ہے کہ مریض کا بہت سا غصہ وہیں ختم ہو جاتا ہے۔اس انداز گفتگو کی وجہ سے بہت سارے معاملات شروع ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جاتے تھے۔

ہمارے ہسپتال کا ڈائریکٹر ''ابو فہد'' ایک بے حد زیرک، پیشہ ور، ذہین، محنتی، اور راست باز شخص تھا۔ ایسے لوگ بہت کم نظر آتے ہیں، خصوصاً مسلم ممالک میں تو ایسے لوگ عنقا ہیں۔اس کے لیے دعا کرتے ہوئے میرا دل سکون سے بھر جاتا ہے۔اس کی وجہ اس کا اپنے ملک وقوم کے لیے نافع ہونا ہے۔ہم عموماً ان لوگوں کو یاد رکھتے ہیں جو ہمیں ذاتی نفع یا نقصان پہنچاتے ہیں۔لیکن میں اس بنا پر اس کے لیے دعا کرتی ہوں کہ اپنی اس حقیر سی زندگی میں، میں نے اس جیسا کوئی پیشہ ور ذاتی طور پر نہیں دیکھا جو عاجز بھی ہو، دیانتدار بھی ہو اور ماہر بھی ہو۔اس کی ان خوبیوں کی وجہ سے ہسپتال نے بہت ترقی کی، اور بہت سے اہداف حاصل کیے جو بوجوہ تاخیر کا شکار تھے۔

(جاری ہے)

☆.....☆.....☆

فریدہ خالد

لاک ڈاؤن کے دوران

باغبانی سے میں نے کیا سیکھا

ریٹائرمنٹ کے بعد میاں جی کو ایک چینی کمپنی میں جاب مل گئی۔ لہٰذا مجھے بھی انگلستان سے بلوچستان آنا اور رہنا پڑا۔ شروع میں تو تھوڑی گھبراہٹ محسوس ہوئی کہ کیسے اکیلے وہاں رہوں گی، اور اس علاقے میں کبھی رہی نہ تھی تو اس کی بھی فکر تھی۔ یہ چائنیز کمپنی بلوچستان کے خوبصورت مگر بیابان صحرا میں قائم کی گئی تھی۔ یہاں سے کراچی جانے میں کار سے کوئی دو گھنٹے لگتے ہیں۔ اس صحرا میں یہ کمپنی اور خاص طور پر اس کا ریزیڈنشل کمپلیس دیکھ کر ''جنگل میں منگل'' والی کہاوت یاد آتی ہے۔

میرے لیے یہاں آتے ہی گھر کے روٹین کاموں کے علاوہ کچھ خاص کرنے کا نہیں تھا لہٰذا خود کو مزید مصروف رکھنے کے طریقے سوچتی رہی۔ ٹی وی دیکھنے اور فون پر گپ شپ کا آپشن تھا میرے پاس اور میں نے شروع کے دنوں میں انہی کو استعمال بھی کیا مگر روزانہ شام کو افسوس ہوتا رہتا کہ کتنا وقت فضول کاموں میں ضائع کر دیا۔ پھر مجھے چند ایک ایسے کاموں کا خیال آیا جنہیں کر کے نہ صرف مجھے خوشی ملتی بلکہ وقت بھی ضائع نہ ہوتا۔ ان میں پہلا کام تو بتول میں دوبارہ لکھنا شروع کرنا تھا اور اس کے لیے میں صائمہ اسما کی حوصلہ افزائی کی شکر گزار ہوں۔ اور دوسرا کام باغبانی کرنا یا ہوم گارڈن بنانا تھا۔ آپ یقین جانیں ان حالات میں میرے لیے یہ دونوں کام لائف سیور ثابت ہوئے، الحمدللہ۔

ہوا کچھ یوں کہ یہاں آنے سے پہلے ہی میاں جی نے بتایا کہ اس نئے گھر میں برآمدہ اور صحن ہونے کے ساتھ ساتھ پچھلے حصے میں بھی ایک بڑا سا یارڈ ہے جو کہ کچا ہے اور میں اس میں پودے لگا سکتی ہوں۔ وہاں دیواروں کے ساتھ بوگن ویلا کی بیلیں اور نیم کے درخت کے علاوہ گھاس بھی لگی ہوئی تھی۔ دراصل شادی کے بعد سے اب تک فلیٹ میں رہنے کا تجربہ رہا جو کہ برا تو نہیں تھا مگر والد صاحب کے گھر کا برآمدہ اور صحن میں مختلف اقسام کے پودوں کی کمی ہمیشہ محسوس ہوتی رہی اور اس کا کئی مرتبہ میاں جی سے تذکرہ رہا۔ شاید اسی لیے انہوں نے وہی لالچ دی اور میں بھی یہ سن کر للچا گئی۔

خیر قصہ مختصر میں فوراً ہی ادھر آ گئی۔ راستے سے ہم نے کراچی کی ایک نرسری سے میری پسند کے چند پودے بھی لے لیے تھے۔ اگرچہ میں نے خود زندگی میں اپنے والد صاحب کے لگائے ہوئے پودوں کو پانی دینے یا بیکار گھاس پھوس کو کیاریوں سے نکالنے کے علاوہ کبھی کچھ زیادہ نہ کیا تھا اور نہ ہی مجھے اس سے زیادہ کچھ معلوم تھا۔ لیکن اب میں نے ہوم گارڈن بنانے کا ارادہ کر لیا تھا۔ پھر اس کے بعد مجھے نرسری جانا نصیب ہی نہ ہوا کیونکہ ملک کے مختلف علاقوں میں لاک ڈاؤن شروع ہو گیا اور ہم بھی اپنے علاقے تک محدود ہو کر رہ گئے۔ میں جو پودے کراچی سے آتے ہوئے لیتی آئی تھی انہیں اب تک زمین میں نہیں لگایا تھا۔ کمپنی نے احتیاطی تدابیر کے طور پر لاک ڈاؤن پر کافی سختی سے عمل کیا۔ اب کمپنی کا تمام وہ اسٹاف جو ویک اینڈ پر اپنے گھروں کو گیا تھا واپس نہ آ سکتا تھا اور انہی میں ہمارا مالی بھی شامل تھا۔ مالی کے چھٹی پر جانے اور واپس نہ آ سکنے کی صورت میں اپنے باغیچے کا تمام کام اب مجھے ہی کرنا تھا۔ لہٰذا میں نے سوچا کہ چلو تھوڑا ایڈونچر ہی سہی!

اس طرح میں نے اپنی باغبانی کا باقاعدہ آغاز کیا اور خود ہی پودوں کو زمین میں لگانا شروع کیا۔ زمین کھودتے ہوئے مجھے اندازہ ہوا کہ یہ اتنا مشکل کام نہیں ہے جتنا ہم اسے سمجھتے ہیں۔ دراصل ہمارے مالی کی ایک چھوٹی سی کھرپی مجھے مل گئی تھی اس سے اس کام میں کافی آسانی رہی۔ یہاں پر اکیلے ہونے کا سب سے بڑا فائدہ شاید یہی ہوا کہ زمین اپنے ہاتھوں سے کھودنے کا زندگی میں پہلی مرتبہ موقع ملا، ورنہ کوئی نہ کوئی آپ کی مدد کو آ جاتا ہے۔ میں نے صرف چند پودے مثلاً لیموں، ایلوویرا،

کڑی پتہ اور ٹماٹر اور مرچوں کی پنیریاں ہی زمین میں لگائیں اور باقی پودے گملوں میں ہی رہنے دیے۔تھوڑی کھاد ہم نرسری سے پہلے ہی لا چکے تھے سو اس کی فکر نہیں تھی۔ میں نے پودوں کو روزانہ پانی دینا اور ہفتہ، دس دن کے بعد کھاد ڈالنے کا کام باقاعدگی سے شروع کر دیا۔ میرے پاس خالی گملے کافی مقدار میں موجود تھے۔اس لیے لیموں کے کچھ بیج بھی ان خالی گملوں اور کیاری میں ڈال دیے،لہسن، ادرک اور پیاز جن میں کچھ کونپلیں سی نکل آئی تھیں انہیں بھی گملوں میں لگا دیا اور پودینے کی شاخیں بھی لگا دیں ۔کچھ ہی دنوں کے بعد دیکھتے ہی دیکھتے پودے ماشاء اللہ بڑھنے لگے اور میری مصروفیت بڑھ گئی۔لیکن باغبانی کے اس عمل سے میں نے صرف پودے لگانا ہی نہیں سیکھا بلکہ زندگی گزارنے کے بہت سے اہم اور عملی کام سیکھے،ان میں سے چند ایک آپ کے گوش گزار کروں گی۔

(ا)اپنے کام کو بامقصد بنانا

آپ زندگی میں جو بھی کام کریں وہ بامقصد ہونا چاہئے ، اب چاہے وہ سبزیاں اور پھل اگانا ہی کیوں نہ ہو۔یقین جانیے جب آپ کا کام بامقصد ہو تو اس کو کرنے میں نہ صرف مزہ آتا ہے بلکہ اس کی راہ میں حائل رکاوٹوں سے نمٹنے کے لیے آپ کے پاس بہت سی انرجی ہوتی ہے اور نئے نئے آئیڈیاز بھی ذہن میں آتے ہیں۔جیسے اپنی مایہ ناز کتاب، دی الکیمسٹ میں برازیلین رائٹر پاؤلو کوئیلو لکھتا ہے کہ ''جب انسان کچھ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو کائنات کی ہر شے اس کے حصول کے لیے انسان کی مدد میں مصروف ہو جاتی ہے'' (مترجم عمر الغزالی ،صفحہ:50)۔اب اگر آپ اپنے گھر میں باغیچہ بنانا چاہتے ہیں تو چاہے آپ کا گھر چھوٹا سا ہو یا آپ کسی فلیٹ میں رہ رہے ہوں آپ باآسانی یہ کام سرانجام دے سکتے ہیں۔ اور چاہے آپ اسے میری طرح وقت گزاری کے لیے بطورِ مشغلہ اپنائیں یا اسے بڑے پیمانے پر اپنا کر نہ صرف پیسہ بچانے کے قابل ہوں بلکہ اس سے پیسہ کمانے ، خوش رہنے اور دوسروں کو خوش کرنے کے قابل بھی ہو سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں یہاں میں آپ کو ان مقاصد سے آگاہ کرنا چاہتی ہوں جو اس گھریلو باغیچہ بنانے سے پہلے میرے ذہن میں تھے اور ان کی وجہ سے مجھے اس تجربے نے بھرپور توانائی اور خوشی بخشی۔

صحت مند زندگی

صحت کے حوالے سے ہم سب جانتے ہیں کہ سبزیاں اور پھل نہ صرف ہماری غذائی ضروریات پوری کرتے ہیں بلکہ ان کے بیشمار طبی فوائد ہیں اسی وجہ سے انہیں ''حفاظتی خوراک'' تصور کیا جاتا ہے۔ان میں موجود غذائی اجزا مثلاً نشاستہ، حیاتین، لحمیات اور نمکیات وغیرہ کافی مقدار میں پائے جاتے ہیں اور یہ تمام اجزا انسانی جسم کی بہترین نشوونما کے لیے اہم ہیں۔ان کا متوازن استعمال انسانی جسم میں مختلف بیماریوں کے خلاف قوتِ مدافعت پیدا کرنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔اس کے باوجود پاکستان بھر میں سبزیوں اور پھلوں کا استعمال کم ہوتا ہے اور اس کی ایک وجہ ان کا مہنگا ہونا ہے۔ ڈاکٹر جیلانی اور ان کی ٹیم اپنی کتاب، ''گھریلو پیمانے پر سبزیات کی کاشت'' کے سلسلے میں اس مسئلے پر قابو پانے کے لیے بہت اہم اور عملی ٹپس بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنے تمام وسائل بروئے کار لاتے ہوئے سبزیوں (اور پھلوں) کی پیداوار میں ممکنہ حد تک اضافہ کریں تاکہ وطنِ عزیز میں سبزیوں کی بدولت غذائیت کی کمی کو دور کیا جا سکے۔ گھریلو پیمانے پر سبزیوں کی کاشت اس سلسلے میں انتہائی مؤثر کاوش ہے''۔

اس کتاب میں ''گھریلو باغیچہ'' بنانے کی منصوبہ بندی سے لے کر مختلف سبزیوں کو اگانے کے موسم اور طریقوں پر بھی اہم معلومات فراہم کی گئی ہیں۔اس کتاب کو پڑھتے ہوئے مجھے محسوس ہوا کہ ہم کتنی آسانی سے گھر بیٹھے تھوڑے سے سرمائے سے اپنے لیے تازہ اور کیمیائی اجزا سے پاک سبزیاں (اور پھل) اگا سکتے ہیں۔اور کم از کم اپنی اور اپنے گھر والوں کی صحت بہتر بنانے میں اپنا حصہ ڈال سکتے ہیں۔

بات ہو صحت کی تو وزن کی زیادتی کا مسئلہ ضرور آتا ہے جو کہ آج کے مشینی دور کا ایک بڑا مسئلہ بن گیا ہے جس سے چھوٹے اور بڑے سب ہی متاثر نظر آتے ہیں۔ باغبانی نہ صرف بذاتِ خود وزن گھٹانے کے لیے ایک بہترین مشغلہ ہے بلکہ اس کے نتیجے میں اُگنے والی بہت سی سبزیوں کو وزن گھٹانے کے لیے کام میں لایا جا سکتا ہے۔آپ کو شاید ہی کوئی ایسا ڈائٹ پلان ملے جس میں خوب زیادہ سلاد کھانے پر زور نہ دیا گیا ہو۔اگر آپ اپنے

گھر میں کھیرا، ٹماٹر، شملہ مرچ، گاجر، مولی، سلاد پتہ، لہسن، ادرک اور لیموں وغیرہ لگائیں تو بڑی آسانی سے وافر مقدار میں سلاد بنا کر خود بھی استعمال کریں اور گھر والوں خاص طور پر بچوں کو سبزیاں کھانے کی طرف راغب کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ مختلف اقسام کے ڈی ٹوکس واٹر کے استعمال سے بھی وزن کو قابو میں کیا جا سکتا ہے۔ خاص طور پر پودینہ، لیموں اور کھیرے کا ڈیٹوکس واٹر وزن گھٹانے میں بے مثال ہے۔ اس کے علاوہ آپ تازہ پودینے اور ادرک کی چائے بھی پی سکتے ہیں۔ میں نے کھیرا تو ابھی تک نہیں لگایا اور لیموں صرف ایک لگا ہے، وہ ابھی چھوٹا ہے۔ اس لیے میں بس ٹماٹر اور مرچیں سالن پر ڈال کر ہی کھاتی رہی اور خوش ہوتی رہی۔ یعنی مجھے اپنی باغبانی کے ایڈونچر سے بھرپور فائدہ اٹھانے کے لیے مزید انتظار کرنا ہوگا۔

اخراجات کم کرنا اور آمدن بڑھانا

اگرچہ میرے ذہن میں پہلے یہ مقصد نہیں تھا لیکن اگر ایسا ہو تو کوئی مضائقہ بھی نہیں۔ لاک ڈاؤن کے بعد میں اس پر غور کر سکتی ہوں۔ یعنی یہ مقصد ابھی پائپ لائن میں ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ ہمارے گھروں میں آمدنی کا بڑا حصہ کچن کی اشیا خریدنے کے کام آتا ہے۔ جب اس میں سے روزانہ کی سبزی نکال دی جائے گی تو کافی پیسہ بچ جائے گا جسے کسی اور ضروری جگہ استعمال کیا جا سکے گا۔ یعنی گھر میں اُگائی گئی ان سبزیوں اور پھلوں کی پیداوار سے گھر کے اخراجات میں کافی کمی کی جا سکتی ہے۔

مختلف اقسام کے کاروبار شروع کرنا

اپنے بجٹ کو کم کرنے کے ساتھ ساتھ آمدن بڑھانے کے مختلف طریقوں پر بھی کام کیا جا سکتا ہے۔ اپنے ذاتی تجربے کی بنا پر میں یہ سمجھتی ہوں کہ باغبانی انسان کی چھپی ہوئی تخلیقی صلاحیتوں کو ابھارنے کا ایک عمدہ طریقہ ہے۔ اب یہ باغبان پر منحصر ہے کہ کس طرح وہ اس کام سے بہت سا فائدہ اٹھاتا ہے۔ آپ چاہیں تو گھر بیٹھے مختلف پودوں کو آن لائن بیچنا شروع کر دیں۔ اس مقصد کے لیے اپنے قریبی کسی پودوں کی نرسری اور مختلف اداروں مثلاً اسکولوں یا دفاتر سے بھی رابطہ کر کیا نہیں پودے سپلائی کرنے کا معاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ آپ اپنے گھر میں استعمال شدہ بوتلوں یا ڈبوں میں یہ پودے لگائیں اور سپلائی کرنا شروع کر دیں۔ رفتہ رفتہ آپ کو اس کاروبار کو مزید بڑھانے کے کئی اور انداز بھی آ جائیں گے اور اس طرح بغیر کسی اضافی خرچے کے آمدن بڑھائی جا سکتی ہے۔

اگر شوق کے ساتھ ساتھ سہولیات میسر ہوں تو ان تازہ، کیمیکل سے پاک، اور صاف پانی میں اُگنے والی بہترین سبزیوں کا کاروبار کر کے اضافی آمدنی بھی کمائی جا سکتی ہے۔ اس قسم کی نامیاتی سبزیاں اور پھل آج کل ناپید ہوتی جا رہی ہیں اس لیے بڑے شہروں میں ان کی ڈیمانڈ بڑھ رہی ہے اور یہ کافی مہنگی بکتی ہیں۔ اگر انہیں مناسب قیمت میں بیچا جائے تو آمدنی میں معقول اضافہ ممکن ہے۔

اس کے علاوہ ان گھریلو پیداوار سے مختلف بیوٹی پروڈکٹس بھی بنائی جائیں۔ دراصل میں نے اپنا باغیچہ شروع کرنے سے پہلے اس بارے میں کوئی خاص توجہ نہ دی تھی لیکن ایلوویرا جیسے پودوں کو بڑھتے دیکھ کر یہ خیال آیا۔ ہم سب جانتے ہیں کہ زمانہِ قدیم سے خواتین اپنے حسن کو نکھارنے کے لیے گھریلو ٹوٹکے استعمال کرتی آئی ہیں جن میں مختلف سبزیاں اور پھل استعمال ہوتے ہیں۔ لہٰذا اگر خواتین مختلف اقسام کی بیوٹی پروڈکٹس گھر پر بنا کر خود استعمال کریں تو کافی بچت کا امکان ہے۔ اور اگر چاہیں تو ان پروڈکٹس کو خوبصورت بوتلوں اور ریپرز میں پیک کر کے اپنے جان پہچان والوں کو گفٹ بھجوا سکتے ہیں۔ میں نے جب اپنے باغ سے مرچیں توڑ کر اپنے ڈرائیور کو دیں تو اس نے خوشی سے مجھے بتایا کہ آج کل مرچیں بہت مہنگی ہیں اور اس کی بیوی تو ان تازہ مرچوں کو دیکھ کر خوش ہو جائے گی۔ میرا وہ معمولی تحفہ کسی کے لیے اتنی خوشی کا باعث ہوگا یہ سوچ کر مجھے بھی بہت خوشی ہوئی۔ اس کے علاوہ ان بیوٹی پروڈکٹس کا کاروبار بھی کیا جا سکتا ہے جس سے آمدنی میں اضافے کا کافی امکان ہے، خاص طور پر آن لائن کاروبار۔ بس جتنا وقت، سرمایہ اور محنت کی جائے گی اتنا ہی فائدہ بھی اُٹھایا جا سکے گا۔ مثل مشہور ہے، جتنا ''گڑ ڈالو گے اتنا میٹھا ہوگا''۔

(۲) اگر ہم کسی کام کا پکا ارادہ کر لیں تو وہ ہو بھی جاتا ہے

میں نے دوسری بات یہ سیکھی کہ کسی بھی نئے کام کو کرنے سے پہلے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم اسے نہ کر سکیں گے مگر جب آپ پکا ارادہ کر لیں تو خود بخود اسے کرنے کے لیے آپ کو مدد بھی مل جاتی ہے، مختلف ٹپس بھی پتہ

چلتی ہیں اور روز کچھ نیا سیکھنے کو ملتا ہے، بس آپکی لگن سچی ہونی چاہئے۔ محترم عمر الغزالی، پاؤلو کوئیلو کی کتاب دی الکیمسٹ کا اردو میں ترجمہ کرنے کے بعد آخر میں اپنے پڑھنے والوں سے ایک سوال نامہ کی شکل میں کچھ پوچھتے اور بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''انسان جب کسی کام کا آغاز کرتا ہے یا کوئی نئی چیز سیکھنا چاہتا ہے تو ابتدا میں وہ کام بہت مشکل نظر آتا ہے، لیکن جب وہ اس کام کو انجام دے لیتا ہے تو اسے احساس ہوتا ہے کہ یہ کام کتنا آسان تھا۔ تب اسے افسوس ہوتا ہے کہ اس نے اس کام کو کرنے میں اتنی دیر کیوں لگائی'' (صفحہ:138)۔

مجھے بھی اپنے ہوم گارڈن میں کام کرتے ہوئے کئی مرتبہ یہ خیال آیا اور یہی افسوس رہا کہ پہلے ایسا کیوں نہ کیا۔ میں نے ٹماٹر، مرچ، پودینہ، ادرک، لہسن، پیاز اور آلو کے زیادہ تر پودے گملوں میں ہی لگائے اور وہ زمینی پودوں کی نسبت زیادہ تیزی سے بڑھے۔ اس کے علاوہ مجھے امید ہے کہ اگر میں گملوں میں مزید اور کئی طرح کے پودے لگاتی مثلاً بھنڈی، دھنیا، بینگن، شملہ مرچ وغیرہ تو وہ بھی کافی اچھی طرح پروان چڑھتے۔ یعنی فلیٹ میں رہتے ہوئے بھی ہم اپنے گملوں میں کئی اقسام کے پودے لگا سکتے ہیں۔ میں نے کسی کے گھر میں یہ تمام سبزیاں اور مختلف طرح کی بیلیں مثلاً کریلا، توری اور کدو کے علاوہ مکئی کے پودے بھی پرانے ٹین کے ڈبوں، ٹب، بالٹیوں اور پلاسٹک کی بوتلوں (مجھے ذاتی طور پر پلاسٹک کی چیزیں پسند نہیں) وغیرہ میں لگے دیکھے جو کافی پھلدار تھے۔ میرا مشورہ ہے کہ اگر آپ کو پودے لگانے پسند ہیں تو ضرور اس کام کو اپنے گھر میں شروع کریں میری طرح پرفیکٹ گھر کے انتظار میں اس بہترین موقعے کو نہ گنوائیں۔ مزید معلومات کے لیے آپ ''گھریلو پیمانے پر سبزیات کی کاشت'' جیسی کتابوں سے استفادہ کر سکتے ہیں کیونکہ ان میں کچن گارڈننگ اور کچن گارڈن کلب میں شمولیت کی آسانی ہوتی ہے اور فری معلومات میسر ہو جاتی ہیں۔

(۳) اپنے کام سے لطف اندوز ہونا

اگرچہ میں نے باغبانی اس لیے شروع کی تھی کہ اپنا وقت بہتر طریقے سے گزار سکوں، لیکن مجھے جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ پودے لگانا، ان کا خیال کرنا اور انہیں بڑھتے ہوئے دیکھنا میرے لیے باعثِ مسرت ہے۔ اکثر کامیاب لوگوں کا یہ ماننا ہے کہ دنیا بھر میں بہت کم لوگ وہ کام کرتے ہیں جسے وہ پسند کرتے ہیں۔ خاص کر اپنے پیشے کے انتخاب کے وقت اس حکمت کا ہونا ضروری ہے لیکن میرا ماننا ہے کہ آپ اس اصول کو کسی بھی کام کے لیے استعمال کر سکتے ہیں، پھر چاہے وہ کام آپ کا شوق یا مشغلہ ہی کیوں نہ ہو۔ عمر الغزالی صاحب کا ماننا ہے کہ جب آپ کام میں لطف محسوس کرتے ہیں تو آپ کی کارکردگی بھی بہتر ہوتی ہے اور لوگ آپ کے ساتھ کام کر کے، آپ کے ساتھ کاروبار کر کے خوشی محسوس کرتے ہیں (صفحہ 16)۔ دراصل پودے، پھول، مٹی اور پانی آپ کو فطرت کے قریب کرتے ہیں اور ان کی قربت آپ پر قدرت کے بہت سے راز افشا کرتی ہے۔ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کئی ایک مقامات پر اپنی کائنات پر غور و فکر کی دعوت دی ہے اور ان میں مختلف پھلوں کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے (سورہ النحل:11) بلکہ اللہ کے نزدیک تو ایسے لوگ ہی عقل و حکمت والے ہیں (سورہ النحل:67)۔

میرے لیے باغبانی اس لیے بھی پر مسرت عمل بن گیا تھا کیونکہ پودوں پر دن بھر شہد کی مکھیاں، رنگ برنگی تتلیاں اور پرندے اڑتے پھرتے تھے۔ اس کے علاوہ دو تین بلیاں بھی نیم کے درختوں پر چڑھ کر دیوار کے دوسری طرف سے آنا جانا رکھتی تھیں۔ ان سب کو اپنے کمرے کی کھڑکی سے دن بھر آتے جاتے دیکھنا مجھے بے حد پسند تھا۔ خاص طور پر پرندوں کی چہکار بڑی بھلی معلوم ہوتی تھی۔ اور پھر ایک بلی نے سب سے چھپ کر میرے گملوں کے پیچھے بچے دے دیے تھے جو بڑے ہو کر میرے بیک یارڈ میں اپنی ماں کے ساتھ اچھلتے کودتے تھے۔ انشاءاللہ میں ان کے بارے میں آپ سب کے لیے ایک علیحدہ مضمون لکھوں گی۔ اس کے علاوہ بوگن ویلا کے پودوں میں شہد کی مکھیوں نے چھتہ بھی بنایا ہوا تھا جس کا مجھے صفائی والے لڑکے نے بتایا اور پھر کچھ دنوں بعد اس نے وہ شہد سے بھرا چھتہ نکالا اور مجھے دے دیا۔ میں نے اپنا حصہ لے کر باقی اسے دے دیا۔ یقین جانیں میں نے شاید پہلی مرتبہ اتنا فریش، ملاوٹ سے پاک اور مزیدار شہد کھایا۔ میں نے کافی عرصہ پہلے کسی کے گھر میں انگور کی بیل پر شہد کا بڑا سا چھتہ دیکھا تھا۔ تو گھر میں پودے لگا کر آپ خالص شہد جیسی بہترین خوراک بھی حاصل کر

سکتے ہیں۔

(۴)وقت کی پابندی اور صبر کرنا

آپ حیران ہوں گے کہ پودوں کو لگانے اور ان کی کیئر کرنے سے ان دو خصوصیات کا کیا تعلق ہے۔لیکن مجھے گھریلو باغیچہ لگانے کے بعد ہی معلوم ہؤا کہ ان کا آپس میں بڑا زبردست تعلق ہے۔شروع شروع میں جیسے مجھے فرصت ملتی میں پودوں کو ایک گملے سے نکال کر دوسری جگہ کسی بھی وقت شفٹ کر دیتی اور پانی بھی کبھی شام کو دے دیا، کبھی صبح اور کبھی بھول گئی۔لیکن پودے اس قسم کی لاپروائی اور بے وقتی کاموں پر بڑا احتجاج کرتے ہیں اور مرجھانا شروع کر دیتے ہیں۔لہٰذا میں نے اپنے شیڈول میں ان کاموں کا باقاعدہ وقت مقرر کیا۔پودوں کو خاص کر پنیری کو بھی شام 4 بجے کے بعد شفٹ کرنا سیکھا کیونکہ صبح دیر سے یا دن بھر میں لگانے سے وہ نہیں لگتے تھے اور مرجھا جاتے تھے۔اور پانی دینے کا وقت بھی مقرر کیا۔

باغبانی کے لیے صبر خاص طور پر اہم ہے۔میں دن بھر میں اپنے پودوں کو کئی مرتبہ چیک کرتی کہ اب کتنے بڑے ہو گئے ہیں، ان پر کوئی پھول وغیرہ نہیں لگ رہے، ایسا محسوس ہوتا کہ وہ رک گئے ہیں اور میں انہیں پانی دیتے ہوئے سوچتی کہ اتنی محنت کا کوئی فائدہ نہیں۔لیکن مجھے ہر دفعہ میاں محمد بخشؒ کا یہ شعر یاد آجاتا جو مجھے بہت پسند ہے اور میں پانی کھاد ڈالتی رہتی۔

مالی دا کم پانی دینا بھر بھر مَشکاں پاوے
مالک دا کم پھَل پھُل لانا لاوے یا ناں لاوے

دراصل پودے اپنا وقت لیتے ہیں اور آہستہ بڑھتے ہیں۔صرف یہی نہیں بلکہ مخصوص پودے لگانے کے لیے آپ کو ان کے موسم کا انتظار کرنا ہوتا ہے کیونکہ وہ آپ کی مرضی سے نہیں بلکہ اپنے خاص موسم میں ہی لگیں گے۔اسی طرح پودے اپنی مخصوص رفتار سے بڑھیں گے اور ان پر ان کے وقت مقررہ پر ہی پھول اور پھل لگیں گے۔لہٰذا باغبانی میں صبر سے کام لینا ضروری ہے۔مجھے بھی مختلف پھلوں مثلاً جامن، آم، امرود، بیر اور چیکو وغیرہ کے پھل کھانے کے لیے تھوڑا صبر کرنے کی ضرورت ہے۔شاید اسی لیے مثل مشہور ہے کہ ''صبر کا پھل میٹھا'' ہوتا ہے۔

(۵)مختلف تسبیحات اور ذکر اللہ کرنا

سورہ الرعد میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے، ''جان لو! اللہ کے ذکر سے دل اطمینان پاتے ہیں'' (28:13)۔تو اپنے اس کام کو دل کے اطمینان پانے کا ذریعہ بنانا دراصل دنیا اور آخرت کی کامیابی پانا ہے۔آپ باغبانی کے وقت میں مختلف تسبیحات اور اذکار کو باندھ لیں۔شروع میں آپ کو کوشش کر کے اس کام کو کرنا ہوگا کیونکہ ہم اکثر بھول جاتے ہیں پھر جب عادت پڑ جائے گی تو بھولنے کے بعد جلد ہی یاد آجائے گا۔

(۶)اپنے پودوں کی کھاد خود گھر پر تیار کرنا

اگرچہ میرے پاس کچھ کھاد موجود تھی لیکن لاک ڈاؤن کی وجہ سے خیال آیا کہ اگر یہ کھاد ختم ہو گئی تو کہیں پودے خراب نہ ہو جائیں اس لیے سوچا کیوں نہ کھاد بھی گھر پر ہی بنائی جائے۔اگر آپ کے آس پاس گوبر کی کھاد مل جائے تو وہ بہترین ہے اگر نہیں تو میرا طریقہ آزما سکتے ہیں۔اور یقین جانیے کھاد بنانے کا یہ عمل بہت دلچسپ ہے اور اس سے بہت سے اور فائدے بھی ہوتے ہیں جو میں بعد میں بتاؤں گی۔میں نے یوٹیوب کی مدد سے خود گھر پر کھاد بنانا سیکھی اور بعد میں معلوم ہؤا کہ اس کا ایک بہتر طریقہ ڈاکٹر جیلانی کی کتاب، ''گھریلو پیمانے پر سبزیات کی کاشت'' میں درج تھا اس طریقے کو ہم اپنی ضرورت کے مطابق ڈھال سکتے ہیں۔دراصل یوٹیوب پر ٹائم بڑا ضائع ہوتا ہے اور کئی وڈیوز دیکھنے کے بعد کوئی بہتر اور کام کی وڈیو ملتی ہے۔

کھاد بنانے کے لیے آپ کو اپنے کچن کے کچرے کو پھینکنے کے بجائے کام میں لانا ہوگا۔جی ہاں اور یہی کام دلچسپی سے بھرپور ہے۔کیونکہ آپ اپنے گھر کے کچرے سے نہ صرف فری کھاد حاصل کر سکیں گے بلکہ اپنے علاقے کا ماحول بہتر کرنے اور وہاں سے کچرا کم کرنے میں بہت اہم کردار ادا کر سکیں گے۔پچھلے سال بارش کے دنوں میں ملک کے سب سے بڑے شہر کراچی میں گھریلو کچرے سے ہونے والی تباہ کاریوں کو ٹی وی پر دیکھ کر میری طرح آپ سب کا دل بھی بہت دکھی ہؤا ہوگا۔تو آیئے اس کارِ خیر میں اپنا حصہ ڈالیں اور اپنے شہر اور ملک کو صاف رکھنے میں اپنا کردار ادا کریں۔کیونکہ اللہ تعالیٰ صاف ستھرا رہنے والوں سے محبت کرتا ہے (سورہ التوبہ: 108) اور حدیث میں صفائی کو نصف ایمان

کہا گیا ہے (مسلم)۔

اپنے تجربے کی روشنی میں گھریلو کھاد بنانے کا طریقہ آپ سے شیئر کرتی چلوں۔ آپ اس میں اپنی مرضی سے ردوبدل کر کے جدت لا سکتے ہیں۔ میں نے اپنے کچن میں استعمال ہونے والی سبزیوں، پھلوں اور انڈوں کے چھلکوں، چائے کی استعمال شدہ پتی، گتے، پرانے اخبار اور فالتو کاغذوں کے چھوٹے ٹکڑوں کو ایک خالی گملے میں ڈالنا شروع کیا جس میں سب سے نیچے مٹی کی تہہ تھی۔ روز کا کچرا ڈال کر اسے ایک گتے یا اخبار سے ڈھک دیتی تا کہ بدبو نہ پھیلے۔ جب گملا بھر گیا تو اس پر پانی ڈال کر تھوڑی مٹی ڈال دی اور ایک کونے میں نسبتاً سایہ دار جگہ پر اپنے بیک یارڈ میں رکھ دیا اور یہی عمل دوسرے اور پھر تیسرے گملے کے ساتھ دہرایا۔ تقریباً پہلے گملے کی کھاد پانچ ہفتوں میں بالکل تیار تھی۔ اور اس طرح کچھ ہی ہفتوں بعد میں اس گھریلو کھاد میں خود کفیل ہوگئی۔ میرے گھر کا کچرا اب مٹھی بھر سے زیادہ نہیں ہوتا جو پھینکنے میں جاتا۔ یقین نہیں آتا تو خود آزما لیں۔ میرا مشورہ اپنے تمام ہم ملکیوں کو یہی ہے کہ اگر آپ کے گھر پودے نہیں لگے تو بھی آپ اپنے گھر کے کچرے سے کھاد ضرور بنائیں۔ پھر اسے قریبی نرسری میں بیچ دیں یا اپنے گھر کے قریب کسی پارک میں ڈال دیں یہ آپ کے لیے صدقہ بن جائے گا۔ آپ دوسروں کو بھی ایسا کرنے پر ابھار سکتے ہیں۔ اس طرح کچرا اور اس سے پیدا ہونے والے مسائل بھی کم ہوں گے اور آپ کے اردگرد کا ماحول خوشگوار اور صاف ستھرا ہوگا۔

(۷) گھر پر کیڑے مار محلول بنانا

جی ہاں کھاد بنانے کی طرح یہ بھی دِکھنے میں مشکل مگر کرنے میں بے حد آسان کام ہے۔ خاص طور پر اگر خوش قسمتی سے آپ کے آس پاس نیم کے درخت ہیں۔ میں نے اپنے والد صاحب کو نیم کے پتوں کو ابال کر اس پانی سے پودوں پر اسپرے کرتے دیکھا اور پودے مختلف کیڑوں سے محفوظ رہے۔ میں نے بھی یہی طریقہ کیا۔ لیکن اگر نیم نہیں ہے تو راکھ بھی اس مقصد کے لیے استعمال کی جاسکتی ہے۔ یا پھر آپ تھوڑی ریسرچ کر کے دیکھ لیں کہ آپ کس طرح یہ مقصد حاصل کر سکتے ہیں۔ آخری حل کے طور پر آپ بازاری کیڑے مار دوائیں بھی آزما سکتے ہیں لیکن ان میں کافی کیمیکلز ہوتے ہیں۔

(۸) پودوں کو گھر کا استعمال شدہ پانی دینا

دنیا بھر میں پانی کی کمی کے پیشِ نظر آپ اپنے پودوں کو گھر کا استعمال شدہ پانی دیں۔ پودوں کے لیے اگرچہ صاف پانی کی ضرورت ہوتی ہے لیکن پینے والے پانی کی نہیں۔ لہٰذا آپ گھر کا خاص طور پر کچن کا استعمال شدہ پانی اپنے پودوں میں ڈال سکتے ہیں۔ لیکن یہ خیال رہے کہ اس میں صابن، سرف یا کوئی اور کیمیکل نہ موجود ہو۔ میرا مشورہ ہے کہ سبزیوں اور پھلوں کو دھونے والے پانی کو پھینکنے کے بجائے پودوں میں ڈالیں۔ دنیا بھر میں کئی ترقی یافتہ ممالک میں استعمال شدہ پانی سے پودوں کی آبیاری کی جاتی ہے۔ کینیڈا اور سنگاپور میں تو پانی جیسی نعمت کو ضائع ہونے سے بچانے کے لیے نہ صرف پانی پر ٹیکس ہے بلکہ پانی کے استعمال پر بھی ٹیکس عائد کیا جاتا ہے۔ پانی کو بچانا ہم سب کی ذمہ داری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا (سورہ الانعام: 141)۔

گھریلو باغیچہ یا ہوم گارڈن کے فوائد تو ان گنت ہیں میں چند ایک کا ذکر ہی کر پائی ہوں۔ اگر آپ بھی ان فوائد کو حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ضرور اسے آزمائیں۔ میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ آپ وقت گزاری کے لیے اپنائے گئے اس مشغلے سے میری طرح کئی ایک فائدے اٹھا سکیں گے۔

نوٹ: پاؤلو کوئیلو کی کتاب دی الکیمسٹ 1988 میں پرتگالی زبان میں لکھی گئی جس کو اس کی بے حد پسندیدگی کی وجہ سے 40 سے زیادہ زبانوں میں ترجمہ کیا گیا۔ عمر الغزالی صاحب نے اسے اردو میں پیش کیا اور بہترین انداز میں لکھا اس لیے میں نے اُن کی کتاب سے استفادہ کیا۔

حوالہ جات:

ڈاکٹر غلام جیلانی، تاج نصیب خان اور ہدایت اللہ کی کتاب، ''گھریلو پیمانے پر سبزیات کی کاشت'' شعبہ سبزیات، قومی زرعی تحقیقاتی مرکز، اسلام آباد

عمر الغزالی (مترجم، 2009)۔ پاؤلو کوئیلو (1988)، کیمیا گری۔ سینٹر فار ہیومن ایکسی لینس، تایاپرنٹنگ پریس اینڈ سنز۔ لارنس روڈ لاہور

☆.....☆.....☆

عالیہ شمیم

حجاب میری نظر میں

ہر سال 4 ستمبر کا دن پوری دنیا میں عالمی یوم حجاب کے طور پر منایا جاتا ہے ۔ یہ دن فرانس میں حجاب پر پابندی کے بعد لندن میں 2004ء میں ایک کانفرنس کے موقع پر عالم اسلام کے ممتاز رہنماؤں نے طے کیا تھا جس کی قیادت علامہ یوسف القرضاوی کر رہے تھے۔اس دن کو منانے کا مقصد مسلمان خواتین کے مذہبی شعار حجاب کو تحفظ دینا تھا۔ حجاب پر فرانس کے علاوہ کئی یورپی ممالک نے تعصب برتتے ہوئے پابندی لگا دی تھی کہ ہم کوئی بھی دینی علامت لے کر تعلیمی و سرکاری اداروں میں آنے کی اجازت نہیں دے سکتے ۔ جبکہ اس کے خلاف مسلمانوں کے احتجاج نے باور کروا دیا کہ حجاب کسی بھی طرح عیسائی علامت صلیب یا یہودی ٹوپی کے مشابہ نہیں، یہ محض علامت نہیں ہے بلکہ دین اسلام کے ماننے والوں کے لیے اللہ کا حکم ہے جو قرآن وسنت سے ثابت ہے ۔یوم حجاب کے موقع پر ہم نے مختلف مکاتبِ فکر کی خواتین سے ان کی آرا لیں جو آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

پروفیسر شبنم امان

(صدر شعبہ اردو گورنمنٹ ڈگری کالج برائے خواتین ناظم آباد، شاعرہ، قلم کار، ریسرچ اسکالر فیڈرل اردو یونیورسٹی)

حجاب عورت کی وہ ڈھال ہے جیسے جنگ میں ایک مجاہد کی لوہے کی زرہ اسے خطرناک حملوں سے بچاتی ہے اور وہ کامیاب فاتح بن جاتا ہے۔ اسی طرح خاتون کا حجاب بھی اسے اس معاشرہ کے شر سے بچا کر رکھنے کا ذریعہ ہے۔اس کے ذریعے وہ اپنے دین و دنیا کو بچا کر فاتح بن کر ہر جگہ حکمرانی کر سکتی ہے۔ چاہے مجازی خدا ہو یا حقیقی خدا دونوں ہی اس حجاب سے راضی رہتے ہیں۔

فریدہ مسرور (مصنفہ)

میں ڈاکٹر عنبر عابد کا یہ شعر دہرانا چاہوں گی:

جیسے گوہر صدف میں ہے محفوظ
ہم بھی محفوظ ہیں حجابوں میں

غزالہ رشید (شاعرہ)

دل میں حجاب رکھیے، نظر با حجاب ہو
ایسا کوئی کرشمہ مرے شہر میں جناب

چاہتی ہوں کہ ہر شعبہ میں اسی وقار سے خاتون خود کو منوا سکے، اس کی ترقی کی راہ میں کوئی ایسی رکاوٹ نہ ہو کہ وہ کسی احساس کمتری کا شکار ہو۔

انیلا طالب (عالمہ، شاعرہ، ناول نگار، افسانہ نگار)

میرا حجاب مجھے ہزاروں تاجوں سے بڑھ کر عزیز ہے۔ یہ میرا محافظ ہے اور جنت تک جانے کا ذریعہ بھی۔ یہ میرے لیے جہنم کی آگ کو سرد کرتا ہے اور مجھے دنیا کی بری نظروں سے بچا کر رکھتا ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ میں نے حجاب لے کر حضرت بی بی فاطمۃ الزہراءؓ کی پیروی کی کاوش کی ہے۔حضرت امام حسینؑ کا کتنا پیارا قول ہے کہ ''عورت کا پردہ کرنا شہید کے خون سے بھی افضل ہے''۔ مجھے فخر ہے کہ میں نے دین اسلام کی ایک ایسی چیز کو اپنایا ہے جس کا حکم خود خالق کائنات نے دیا ہے۔ میرا ایمان ہے کہ آج گرمی میں کیا گیا میرا پردہ کل بروز قیامت سخت گرمی سے مجھے بچا لے گا۔ میرا حجاب میرا فخر ہے، میرا مان ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

بندہ پرور حجاب لازم ہے
ہر نظر پارسا نہیں ہوتی

صبیحہ شاہ (مصنفہ)

حجاب کے نام پر دنیا کے مختلف خطوں میں مختلف انداز اپنائے گئے ہیں، انداز جو بھی ہوں وہ عورت کو احساس تحفظ و عزت فراہم کرتے

ہیں۔اسلام عورت کو اوڑھنی سے سر اور جسم ڈھانپ لینے کا حکم دیتا ہے تو دراصل یہ عورت کے لیے اعزاز ہے۔ایک خاموش پیغام ہے تنبیہہ ہے بدنگاہوں کے لیے، شیطانوں کے لیے۔لیکن حجاب محض ایک کپڑے سے خود کو ڈھانپ لینے کا نام نہیں بلکہ با حجاب نگاہ، با حجاب اطوار و انداز بھی لازمی ہیں ورنہ سرسوں کے تیل پر شہد کا ریپر لگا دینے سے وہ شہد نہیں بن جائے گا۔

فرح انیس (مصنفہ)

حجاب مسلمان عورتوں کی پہچان ہے۔جب ہم حجاب کرتے ہیں اور خود کو ڈھانپتے ہیں تو ہم مسلمان عورتیں دنیا کی تمام عورتوں سے منفرد و ممتاز نظر آتی ہیں۔جس طرح ہر عزت و حرمت والی چیز کی حفاظت کی جاتی ہے، تقدس والی چیزوں کو ڈھانپ کر رکھا جاتا ہے تاکہ وہ سب میں نمایاں ہوں۔عورت کو جو وقار عزت ایک دین اسلام نے دیا ہے وہ کسی بھی مذہب نے نہیں دیا۔

مگر ہمارا یہ حال ہے کہ ڈراموں میں دوپٹے کو ملازماؤں تک محدود کر دیا ہے۔یہ پیش کیا جاتا ہے کہ ایک باشعور اور پڑھی لکھی عورت کبھی بھی دوپٹہ نہیں لیتی۔اس سے یہ تصور دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ دوپٹہ نہ اختیار کر کے عورت زمانے کے ساتھ چل رہی ہے، جبکہ دیکھا جائے تو اس طرح تو عورت اس دور میں جی رہی ہے جو اسلام سے پہلے کا تھا۔آج پورا مغرب سوا گز کے حجاب سے خوفزدہ نظر آتا ہے۔وجہ یہ ہے کہ مسلمان عورت جب خود کو ڈھانپتی ہے تو اس کو اپنی پہچان کا احساس ہے اور وہ اس تہذیب و ثقافت کے لیے پورے وقار سے سر اٹھا کر کھڑی ہے۔یہ وہ چیز ہے جس سے مغرب خوفزدہ ہو رہا ہے۔مسلمان عورت کو سوچنا چاہیے کہ اس کا اصل وقار ہی حجاب میں ہے کیونکہ ظاہری حلیہ اس کے تشخص کی پہچان ہے۔ایمان والی عورت کا اصلی زیور سونا چاندی نہیں بلکہ حیا اور عفت ہے۔

دردانہ صدیقی (سیکرٹری جنرل حلقہ خواتین جماعت اسلامی)

حیا اور حجاب کے اسلامی قوانین خالق کائنات کی خاص رحمت کا مظہر ہیں۔ان اصولوں نے نہ صرف خطہ عرب کے جہالت بھرے معاشرے میں پسی ہوئی عورت کو عزت و احترام کے اعلیٰ مرتبے پر فائز کیا بلکہ آج بھی قانون حجاب عورت کے تحفظ کا ذریعہ قرار پایا ہے۔

اسلام میں عورت ایک قیمتی نگینہ ہے اور اس قیمتی نگینے کی حفاظت مرد کو دی گئی ہے۔مرد اور عورت مل کر خاندان بناتے ہیں اور ان دونوں ہی کو حیا و حجاب کے اصول سکھائے گئے تاکہ ماحول پاکیزہ رہے۔مغربی تہذیب جو قانون حجاب کو دقیانوسیت اور پسماندگی قرار دیتی ہے آج اخلاقی زوال کا شکار ہو کر اپنا ہی پھیلایا گند سمیٹنے کی کوشش میں مصروف ہے۔حیا سے عاری معاشرے نے عورت کی عزت و عصمت کا تصور ختم کر کے اسے آلہ تجارت بنا کر پیش کر دیا، چادر و چار دیواری سے باہر لا کر عورت کے نسوانی وقار کی دھجیاں بکھیر کر اسے سر بازار کھڑا کر دیا ہے۔

حیا اور حجاب پاکیزگی اور آزادی کی علامت ہے۔یہ معاشرے کے لیے رحمت ہے، اور فتنوں کے دور میں تحفظ کرنے والی ڈھال۔یہ وقار کی علامت اور اسلامی تہذیب کی بنیاد ہے۔

بنت شبیر۔ گجرات (طالبہ)

حیا وہ انمول وصف ہے جو عورت کو عورت ہونے کا اعزاز دیتا ہے۔ستر اور حجاب سے حیا پروان چڑھتی ہے۔حیا وہ چیز ہے جس کے بارے میں فرمایا گیا کہ اگر تم میں حیا نہ رہے تو جو چاہے کرو۔حجاب مرد و عورت دونوں کی ضرورت ہے۔بچپن ہی سے بچوں کو ہر قسم کی لغو چیزوں سے بچا کر رکھا جائے۔انہیں اپنی محبت کی آغوش میں رکھا جائے کیونکہ بچے کی ابتدائی عمر ہی سیکھنے کی اور اس کی شخصیت بننے کی ہوتی ہے۔پہلی درسگاہ ماں کی گود ہوتی ہے۔بچے کا تعلق اللہ اور قرآن کے ساتھ بچپن سے ہی جوڑ دیں تاکہ اسے ایک مسلمان کی اقدار کا مکمل علم ہو، حیا و حجاب سے آراستہ ہو اور گمراہ نہ ہونے پائے۔

ڈاکٹر الماس روحی (پروفیسر پی ای سی ایچ ایس گرلز کالج)

عورت ستر ہے اور ستر چھپانے کی چیز کو کہا جاتا ہے۔عورت جب تک چھپی ہوئی ہے تو عورت ہے۔خواتین کو اسلام نے پردے کا پابند اس لیے کیا ہے کہ ان کی عزت و عصمت پر کوئی حرف نہ آئے۔نبیؐ اکرم نے ایسے کپڑے پہننے والیوں پر لعنت بھیجی ہے جو لباس پہن کر بھی

ننگی رہیں۔حجاب لازمی ہے یہ جسم کی حفاظت کے ساتھ روح کی طہارت کا بھی ذریعہ ہے۔

طلعت یاسمین (ایڈوکیٹ)

حجاب ہمارے محافظ کی حیثیت رکھتا ہے۔گھر کے رشتوں کے مابین حجاب گفتگو کا ذریعہ ہے،حجاب ساتر لباس ہے جو وقار کی علامت ہے،حجاب رابطے کا ذریعہ بھی ہے،حجاب کے قانون میں تحفظ ہے عصمت وعزت کے لیے، یہ ہمارے لیے حدود معین کرتا ہے،اور معاشرے کی برائیوں کو اپنے کردار سے روکنے کے طریقے بتاتا ہے۔

ڈاکٹر سمیعہ راحیل قاضی

(سابق ممبر قومی اسمبلی،اسلامی نظریاتی کونسل،صدر انٹرنیشنل مسلم ویمن یونین)

حجاب ایک نظام عصمت وعزت ہے جو مردوں سے شروع ہوتا ہے جبکہ ہمارے معاشرے میں حجاب کو صرف عورتوں سے منسوب کر دیا گیا ہے۔حجاب محض کپڑے کا ٹکڑا نہیں بلکہ معاشرے کے تحفظ کا نام ہے۔سورہ احزاب میں مردوں کو مخاطب کر کے پردے کے پیچھے سے کچھ لینے کا حکم دیا گیا۔سورہ نور میں بھی نگاہ نیچی رکھنے کا حکم سب سے پہلے مردوں کو دیا گیا۔حجاب ذہنی پس ماندگی کا نام نہیں بلکہ حجاب آزادی کی توانا علامت ہے۔

ناہید طاہر

(افسانہ نگار، بھارت سے تعلق رکھتی ہیں۔گزشتہ کئی سالوں سے ریاض،سعودی عرب میں مقیم ہیں۔ان کی تخلیقات ہندوستان، پاکستان،سعودی عرب کے اخبار و رسائل میں شائع ہوتی ہیں۔ناول ''ساحل کو چھو کر'' اُردو نیوز، ریاض میں قسط وار شائع ہوتا رہا)

حجاب اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت ہے۔جس نے رب کے اس فیصلے کو نہ مانا اس سے بڑی گمراہی بھلا کیا ہوسکتی ہے!اسلام کے معاشرتی نظام عفت وعصمت کی بنیاد ایمان ہے اور اس کی روح حیا ہے۔اس حکم کے آگے کوئی بحث اور دلائل نہیں۔اکثر خواتین کا کہنا ہے کہ پردہ تو آنکھوں میں ہوتا ہے۔ہم بن سنور کر بنا حجاب کے شاپنگ سینٹر میں چلی جائیں تو کیا ہماری آنکھ کا پردہ ہمارے جسم کا تحفظ کر سکتا ہے؟نہیں بالکل نہیں۔ہم لاکھ خوش فہمی میں مبتلا رہیں کہ ہم نے آنکھ کا پردہ کر رکھا ہے اور مرد ہمارے جسم کے نشیب وفراز سے لطف اندوز ہوتے رہیں۔

عالیہ منصور (ڈائریکٹر میڈیا سیل حلقہ خواتین جماعت اسلامی)

میری نظر میں حجاب محض ایک ڈھانپنے کی چیز نہیں بلکہ ایک سوچ اور فکر کی علامت بھی ہے۔حیا و حجاب ہماری معاشرتی اقدار کا وہ بنیادی حصار ہے جسے مرد و زن دونوں کو مل کر تھامنا ہے اور اس حصار کو گرنے سے بچانا ہے یہ جتنا مضبوط ہوگا معاشرہ اتنا پرسکون ہوگا۔اللہ کرے معاشرے کا ہر فرد اس بات کو سمجھ جائے۔

ڈاکٹر کوثر فردوس (کیپٹن (ر)،سینیٹر)

میں نے آرمی میں میڈیکل ڈاکٹر کے طور پر با حجاب ڈھائی سال سروس کیپٹن ڈاکٹر کے طور پر کی اور پہلے ہی انٹرویو کمیٹی کو پردے کی شرط رکھ دی تھی گو کہ وہ آرمی کے ڈریس کوڈ کے خلاف تھا۔انہوں نے باقاعدہ پوچھا کہ قرآن میں کہاں پردے کا حکم ہے، میں نے ان کو تفصیلی بتایا، میری ریکرومنٹ ہوگئی بعد میں بھی کافی ڈاکومینٹیشن ہوئی اور آخر کار انہوں نے مجھے جاب کی اجازت دے دی۔میں نے ان کے ڈریس کوڈ پر چہرے کے پردے کے ساتھ سروس کی۔پھر میں ممبر سینیٹ منتخب ہوئی اور وہاں چیئرمین سے میں نے چہرے کے پردے کی اجازت لی اور اپنی ذمہ داری دو سیشن یعنی چھ سال چہرے کے پردے کے ساتھ نبھاتی رہی۔اسی طرح پرائیویٹ یونیورسٹی رفاہ انٹرنیشنل اسلام آباد میں بھی پردے کے ساتھ جاب کی۔اتنی تفصیل بتانے کا میرا مطلب یہی ہے کہ پردہ کبھی بھی ترقی کی راہ میں رکاوٹ نہیں رہا۔میں نہیں سمجھتی کہ پردہ کرنا کسی بھی کام میں رکاوٹ ہے، بلکہ یہ عورت کی عزت وعصمت کا تحفظ ہے۔اور اب تو کووڈ ۱۹ نے بھی ساری دنیا کو چہرے کا پردہ کروادیا اس کے باوجود سب کام ہو رہے ہیں۔

ڈاکٹر حفصہ سعید

(ڈاؤ میڈکل کالج،انڈس ہسپتال،پوسٹ گریجویٹ ضیاء الدین ہسپتال)

حجاب تحفظ ہے رحمت ہے۔پردے کے ساتھ عورت ہر کام کر سکتی ہے موجودہ دور کی عورت با حجاب پائلٹ بھی ہے، پولیس بھی،شیف بھی، ڈسٹرکٹ جج بھی اور ڈاکٹر و نرس بھی، جو یہ باور کراتی ہے کہ پردہ

ترقی کی راہ میں رکاوٹ نہیں اور خواتین مردوں کے ساتھ باحجاب کام کر رہی ہیں۔حجاب مسلمان عورت کا ڈریس کوڈ ہے جو اللہ نے ودیعت کیا ہے، حصار ہے، تقدس ہے اور پاکیزہ معاشرے کو جنم دیتا ہے۔

طہورہ شعیب (قلم کار)

حجاب کا تصور بہت وسیع ہے۔یہ رشتوں میں تنگ نظری پیدا کرنے والی چیز نہیں ہے۔بھائی شوہر سسر..... یہ قدموں کی زنجیریں نہیں عورت کے محافظ ہیں۔لیکن یہ حفاظت تب ہی ممکن ہے جب یہ رشتے اپنی ذات میں واقعی ایک ''مرد'' ہوں۔اپنی ماں، بہن، بیٹی اور بیوی کو ہر طرح کا تحفظ اور عزت دینے کا خواہاں مرد اگر کسی اور عورت کے سامنے نگاہ نیچی نہیں رکھ سکتا، اپنے آپ کو برے خیالات اور اوچھی حرکات سے باز نہیں رکھ سکتا تو درحقیقت وہ محافظ نہیں ہے، کہ ایک محافظ ایک ہی وقت میں حفاظت اور نقب زنی نہیں کر سکتا!

دوسری طرف اگر عورت یہ سمجھتی ہے کہ مرد کی سربراہی و سرپرستی اور تحفظ دینے سے وہ حصار میں نہیں قید و بند کی صعوبت میں ہے تو وہ جان چھڑکنے والے رشتوں سے ہی نہیں اپنے تحفظ سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتی ہے۔وہ سب کی دسترس میں ہوتی ہے مگر اپنے ہی رشتوں کی نہیں رہتی۔

تیسری طرف وہ سماجی رویے ہیں جن میں کبھی باحجاب خواتین کو شدت پسند اور تنگ نظر ظاہر کیا جاتا ہے۔گویا دین کے مطابق اپنے حلیے کو ڈھال لینے سے ہر طرح کی صلاحیت، قوت اور ہنر سے معمور وہ عورت زمانے کے ساتھ چلنے کے لیے نااہل ٹھہر جاتی ہے۔کبھی پردہ نشیں معصوم جانوں کو غیرت کے بخار کی بھینٹ چڑھا دیا جاتا ہے تو کبھی عورت کو اس کے وقار، تحفظ اور تقدس سے دامن چھڑا کر اس کی حیثیت محض ایک تشہیری عنصر (advertising tool) کی کر دی جاتی ہے۔کبھی آنکھ میں حیا کو جواز بنا کر مادر پدر آزادی کی بھیانک شکل کو رنگین پردوں میں چھپا دیا جاتا ہے۔یہ کھلے تضاد ہیں جو ہمارے معاشرے کے عکاس بنتے جا رہے ہیں۔

جب سوچ سے لے کر عمل تک اپنے وقار و عزت کی حفاظت عورت کی اپنی اولین ترجیح ہو، مرد اس کو تحفظ کا حصار دے اور اپنے کردار میں مضبوط ہو، نکاح آسان ہو اور گناہ بے حد مشکل، حیا صرف نگاہ میں نہیں چال، لباس، کردار اور عمل میں بھی ہو تب ہی معاشرے میں عورت عزت اور اپنا مقام پا سکتی ہے۔

☆.....☆.....☆

محشرِ خیال

پروفیسر خواجہ مسعود۔ راولپنڈی

''چمن بتول'' جولائی 2020 کے دلکش، دیدہ زیب ٹائٹل پر نیلے، پیلے، گلابی، سبز، کاسنی قوس قزح کے سبھی رنگ نکھرے ہوئے ہیں۔

''کرونا'' جیسی خطرناک وبا کے دور میں ہمیں ''چمن بتول'' کا ہر شمارہ خاص نمبر اور قیمتی نمبر ہی لگتا ہے اور ہر بار مجلس ادارت کو دادِ تحسین دیے بغیر نہیں رہ سکتے جو ان مشکل حالات میں بھی ''چمن بتول'' کو بنا سنوار کر قارئین کی خدمت میں پیش کر دیتے ہیں۔

''ابتدا تیرے نام سے'' اس بار مدیرہ محترمہ صائمہ اسما کا اداریہ اداس کر گیا۔ کتنی ہی نامور ہستیاں اس عرصہ میں اس دنیائے فانی سے رخصت ہوگئیں۔ سید منور حسن، مفتی نعیم، علامہ طالب جوہری، طارق عزیز، ڈاکٹر مغیث الدین شیخ، اور مشہور شاعر و ادیب ناصر زیدی۔ بقول غالب خاک میں کیا کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں۔

اور بقول شاعر:

ے ڈھونڈو گے ہمیں ملکوں ملکوں
ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم

اللہ تعالیٰ ان تمام احباب کو جنت الفردوس کے اعلیٰ گوشوں میں جگہ عطا فرمائے (آمین) ایسے لوگ دنیا میں اپنے انمٹ نقوش چھوڑ جاتے ہیں۔

''اللہ ایک ہے'' نوآموز قلم کار اسوہ بتول نے توحید کی اہمیت اجاگر کرتا ہوا اچھا مضمون تحریر کیا ہے۔

''صلہ رحمی'' میں ڈاکٹر میمونہ حمزہ نے اس مضمون میں بتایا ہے کہ اچھے رشتے داروں کے ساتھ جو بھلائی کرنا، آدمی کی جو استطاعت میں ہو اس سے دریغ نہ کرے۔

''کرونا کی وبا اور ہماری ذمہ داریاں'' ڈاکٹر فلزہ آفاق نے ''کرونا'' کے بارے میں زبردست مضمون لکھا ہے جس میں اس وبا کے بارے میں مکمل آگاہی دی گئی ہے اور احتیاطی تدابیر بھی واضح کی گئی ہیں۔

''اگر اس وقت میں ہوتی'' ہاجرہ منصور کی ایک پیاری نعتیہ نظم ہے، بہترین جذبات اور خواہشات کا اظہار ہے۔ یہ خوبصورت مصرعے ملاحظہ ہوں

بس اک دیدار کرنے کو
کسی چھت پر وہاں ہوتی
نگاہیں ٹکٹکی باندھے
رسول پاکؐ کو میں بھی
تب آنکھوں میں بسا لیتی
حیاتِ جاوداں پاتی

حبیب الرحمٰن صاحب کی غزل سے دو منتخب خوبصورت اشعار:

ے نہیں ہیں تیرے حسن میں اگر حیا کی شوخیاں
تو پھر حضورِ دل میں ہے ترا جمال مسترد
نہ جانے کتنی صورتیں بنیں مٹیں مٹیں بنیں
مگر یہ دل نہ کر سکا ترا خیال مسترد

اس بار پھر نجمہ یاسمین یوسف اور عزیزہ انجم کی غیر حاضری محسوس کی جا رہی ہے۔

''کل عید ہے'' فرحت نعیمہ کی ایک تہذیب و تمدن اور رسم و رواج کی مٹھاس میں گندھی ہوئی خوبصورت کہانی، پڑھتے ہوئے ایسے لگا جیسے ہم تقسیم ہند سے قبل کی دہلی کے کسی مسلمان گھرانے میں پہنچ گئے ہیں جہاں سارا خاندان عید کی تیاریوں میں مصروف ہے۔ پڑھ کے مزا آ گیا۔

''محبتیں جیل گئیں'' دردوغم اور محبت میں ڈوبی ایسی زبردست کہانی قانتہ رابعہ ہی لکھ سکتی ہیں۔ وہ بہن بھائیوں میں سب سے غریب اور کمتر تھی پھر ستم یہ کہ اس کا خاوند بھی اچانک فوت ہو گیا۔ مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے لیکن اس مشکل وقت میں اس کے بہنوں اور بھائیوں نے جس محبت، چاہت اور اپنائیت کا مظاہرہ کیا ان سب نے اس کا دل جیت لیا۔ پڑھتے پڑھتے آنکھیں نم ہو گئیں۔

''عراقِ انفعال'' ڈاکٹر میمونہ حمزہ کی کہانی۔ جب دلوں میں گرہ پڑ جائے تو میاں بیوی کے درمیان موجود محبت کے رشتہ میں دراڑیں پڑنا شروع ہو جاتیں ہیں۔ بالآخر یہ غلط فہمیاں خلع پر آ کر ختم ہوتی ہیں لیکن اس طرح دو زندگیاں بلکہ تیسری بچے کی، عذاب میں پڑ جاتی ہیں۔ کاش مردو خواتین طلاق یا خلع لینے سے پہلے خوب سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا کریں، بزرگوں سے مشورہ کر لیا کریں۔

''کنوز'' حبیب الرحمٰن کی کہانیاں اکثر تجسس سے بھرپور ہوتی ہیں یہ بھی ایک ایسی ہی دلچسپ کہانی ہے۔ آپ نے خوب سمجھایا ہے کہ جاب کرنے والی لڑکیوں کو خود بھی مردوں کی طرح دلیر ہونا چاہیے اور حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیے۔

''خالی صندوق'' دانش یار، دیہاتوں کے پاس غریب کاشتکار خاندانوں کی غربت اور سفید پوشی کو عیاں کرتی ہوئی ایک کہانی۔ بیچارے کس طرح تنگدستی میں وقت گزارتے ہیں اور شادی بیاہ کے موقع پر اپنا بھرم قائم رکھنے کے لیے کیا کچھ کرتے ہیں۔

''تزئین حسن سے ایک ملاقات'' تزئین حسن بلا شبہ ہماری خواتین کے لیے ایک تابندہ مثال ہیں۔ محترمہ صائمہ اسما نے ان کا تفصیلی اور جامع انٹرویو پیش کر کے ہمارے معاشرے کی خواتین کو ایک روشنی دکھائی ہے، جس طرح انہوں نے شادی کے بعد بھی ہمت نہیں ہاری، علم اور تحقیق کا کام جاری رکھا اور آج وہ بلا شبہ ایک ہونہار لکھاری، صحافی اور محقق ہیں۔ خاص طور پر آپ نے دنیا کے مختلف خطوں میں جو مظلوم مسلمان بستے ہیں ان کے حق میں زبردست آواز اٹھائی ہے اور بڑی جرأت سے یہ فریضہ سرانجام دیا ہے۔ آپ کا یہ جملہ یاد رکھنے کے قابل ہے ''ایک اور جملہ تواتر کے ساتھ بولا جاتا ہے۔ 'فرض صرف دین کا علم ہوتا ہے' ہمیں اس جملے نے تباہ کر دیا۔ یہ جملہ بولتے ہوئے دین کا جو تصور ہوتا ہے وہ چند ظاہری اعمال تک محدود ہوتا ہے۔ جبکہ دین اسلام پوری زندگی کا احاطہ کرتا ہے''۔ اور یہ جملہ بھی قابل غور ہے۔ ''میرا ماننا ہے کہ دنیا کو تبدیل کرنے کے لیے دنیا کو سمجھنا لازمی ہے اور دنیا کو سمجھنے کے لیے تحقیق لازمی ہے''۔

''سعودی عرب میں ایک سال'' میرا اپنا تحریر کردہ مضمون ہے۔ اس پر میرا کچھ کہنا مناسب نہیں۔

''میری ماں جی'' ڈاکٹر ممتاز عمر نے لکھا ہے ماں کا وجود واقعی ایک انمول نعمت کی طرح ہوتا ہے۔ جب یہ سایہ چھن جائے تو پتہ لگتا ہے کہ ہم تو کڑی دھوپ میں آ کھڑے ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی نیک دل اور خدا ترس ماں کی یادیں قارئین کے ساتھ بانٹی ہیں۔ آخر میں یہ جملہ بڑا خوبصورت ہے'' آہ وہ ہستی چلی گئی جو ہمارے سروں پر ٹھنڈی چھاؤں کی طرح تھی۔ رب سے امید ہے کہ وہ اب باغِ ارم میں لطف وسرور کے ساتھ موجود ہوں گی (انشاءاللہ)''۔

''کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر'' ڈاکٹر ثمین ذکا، آپ کی زندگی کے ابتدائی حالات جتنے دلچسپ اور معلومات افزا ہیں انشاءاللہ آئندہ قسطیں اور بھی اعلیٰ ہوں گی۔ ابتدا میں محترمہ صائمہ اسما اور کموڈور (ر) طارق مجید صاحب نے تعارفی کلمات بھی خوب لکھے ہیں۔

''قصہ ایک عید ملن کا'' قانتہ رابعہ کا کمپیوٹر کے استعمال پر ایک دلچسپ مضمون ہے۔ یہ مضمون پڑھ کے تو لگتا ہے کہ قانتہ رابعہ کی معلومات کمپیوٹر کے بارے میں نوجوانوں سے کم نہیں۔ ٹوئیٹر، انسٹاگرام، فیس بک سب کا آپ کو علم ہے۔ آخر میں کرونا کے حوالے سے یہ جملے بڑے خوبصورت لکھے ہیں ''جس سائنس پر حضرت انسان کو غرور تھا، اس کے بل بوتے پر خدا بن بیٹھا تھا اسی سائنس نے اسے بے بس کر دیا۔ ہنستے بولتے وجود گھروں میں مقید ہو گئے۔ اب خوشیاں گھروں میں ہی کشید کریں''۔

''کیا پکائیں؟'' بنت شیروانی گوشت کے بغیر قسم قسم کے کھانے بنانے کی ترغیب خوب سلیقے سے دلائی گئی ہے جیسے آلو کے کوفتے، آزمانا

شرط ہے۔

گوشۂ تسنیم ''کرونا کے دن'' ڈاکٹر بشریٰ تسنیم نے بجا فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی آزمائش کرتا رہتا ہے۔قرآن پاک میں ہے ''اور ہم اچھے برے حالات میں مبتلا کر کے تمہاری آزمائش کرتے رہیں گے اور ہماری طرف ہی تم نے پلٹ کر آنا ہے''۔(الانبیاء۔35)

یہ کرونا بھی ایک آزمائش ہے۔ہم قربِ الٰہی حاصل کر کے اور استغفار کر کے اس سے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔ساتھ ہی احتیاطی تدابیر بھی ضروری ہیں۔

☆.....☆.....☆

''چمن بتول'' ماہ اگست 2020ء کا ٹائٹل کشمیر جنت نظیر کے حسین نظاروں سے مزین ہے۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ حسین وادی جلد ظالم مودی حکومت کے چنگل سے آزاد ہو جائے (آمین)۔

''ابتدا تیرے نام سے'' آپ نے اس بار محدود حج کے بارے میں زبردست تاثرات پیش کیے ہیں خاص طور پر یہ جملے پڑھ کے دل پہ گہری چوٹ لگتی ہے''کسے خبر تھی ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا جب صحنِ حرم سونا ہوگا اور حرم کو جانے والی گلیاں اور بازار اداس نظر آئیں گے .....منیٰ و عرفات انسانوں کے تاحدِ نگاہ سمندر کے بغیر ہوں گے.....مزدلفہ کی خاک مسافروں کی راہ تکتی رہ جائے گی.....زمزم سیراب ہونے والوں کو ڈھونڈے گا''۔

آیا صوفیہ کے آباد ہونے پر آپ نے بجا طور پر خوشی کا اظہار کیا ہے۔کاش کہ ایک دن جامع مسجد قرطبہ اور مسجد اقصیٰ کی رونقیں بھی اسی طرح بحال ہو جائیں (آمین)۔

''اللہ پر توکل'' ڈاکٹر میمونہ حمزہ ،آپ نے اس مضمون میں یہ خوبصورت جملے لکھے ہیں''توکل علی اللہ اہل ایمان کی وہ صفت ہے جس کی بنا پر وہ پوری انسانیت کی قیادت کرتے ہیں۔توکل علی اللہ انسان میں جرأت، یقین اور اطمینان پیدا کرتا ہے۔صاحبِ توکل ہی جنت کے حقدار ہوں گے کیونکہ اللہ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے''۔

''اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا'' سید محمود حسن آپ نے خوب وضاحت کی ہے کہ جو مال اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے اللہ اس سے کئی گناہ زیادہ عطا کرتا ہے۔یہ اجر سات سو گنا بھی ہو سکتا ہے۔رزق حلال سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے سنگین گناہ بھی معاف ہو جاتے ہیں۔

''کیا قائد اعظمؒ پاکستان کو اسلامی نہیں بنانا چاہتے تھے؟'' سید ابو الاعلیٰ مودودی۔اس مضمون میں واضح کیا گیا ہے کہ قائد اعظم کی رہنمائی میں مسلمانانِ ہند کی ساری جدوجہد اس بنیادی مطالبے پر تھی کہ پاکستان میں اسلامی نظام نافذ ہوگا نہ کہ سیکولر نظام۔یہ ساری جدوجہد ہی ایک اسلامی مملکت (پاکستان) کے لیے تھی۔

''آہ! ضلع گورداسپور'' ثریا اسما صاحبہ کا ایک رلا دینے والا مضمون۔تقسیم ہند کے وقت مسلمانوں کے مصائب و آلام کی ایک مکمل تصویر آنکھوں کے سامنے آ گئی۔آپ نے نہایت درد دل کے ساتھ یہ معلوماتی مضمون لکھا ہے کاش کہ یہ اہم ضلع گورداسپور بھاری رشوت کے عوض بھارت کو نہ دے دیا جاتا۔اس طرح کشمیر بھی ہم سے چھن گیا۔ثریا اسما صاحبہ سے درخواست ہے کہ ایسی اور یادداشتیں بھی تحریر کریں۔

''عید قربان کا چاند دیکھ کر'' (بنت مجتبیٰ مینا،) موجودہ حالات کی عکاسی کرتی ایک پختہ نظم آخری شعر قابل غور ہے۔

اس دور میں ہے کوئی براہیم کہ آئے ؟
پھر مشرق و مغرب میں ہے نمرود کی شاہی!

سعود عثمانی کی ''نعتیہ'' سے ایک خوبصورت شعر

یہ واقعہ ہے کہ سارے جہاں میں شہرہ ہے
حضورؐ آپ کے صحرا کی خوش جمالی کا

اب کے بار حبیب الرحمٰن نے سنجیدہ شاعری کی ہے۔یہ تعمیری شاعری کی مثال ہے۔

یہ سچ ہے کوئی بھی منزل کبھی ہوئی نہیں سر
وفا شعارو اگر ہمتیں جوان نہیں
رہِ وفا میں ارادہ، یقین و عزم ہو، ہاں
تو خار و خشت ہیں گلزار، ہر چٹان، نہیں

اس دفعہ افسانوں کے عنوانات بڑے خوبصورت اور شاعرانہ ہیں ''اک آنکھ میں رُت ہے ساون کی'' قانتہ رابعہ کی ایک اچھی کہانی جس

سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ سکون واطمینان دولت میں پوشیدہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ،صبر اور قناعت میں پوشیدہ ہے۔ یہ انسان کا بہت بڑا سرمایہ ہیں۔

آئی مِس یو'' نیّر کاشف کی ایک مختصر کہانی لیکن اس میں ایک زبردست پیغام ہے کہ جن کے خاوند تلاش معاش میں دور دیسوں میں چلے جاتے ہیں بیویاں بیچاری گھریلو ذمہ داریاں نبھاتے نبھاتے تھک جاتی ہیں۔بچوں کی پرورش، گھر گرہستی، رشتہ داروں سے تعلقات نبھانا اور خاوند ہفتے میں ایک دوبار فون کر کے سرخرو ہو جاتے ہیں۔

''انتظام''عشرت زاہد، ایک ایسی کہانی جسے پڑھ کے دل بھر آیا۔ جو لوگ محنت مشقت کرتے ہیں اللہ بھی ان کا خیال رکھتا ہے اور ان کے کام سنورتے جاتے ہیں یہ پیغام بھی ملتا ہے کہ اگر ہمارے قریبی رشتہ دار نادار اور غریب ہوں تو سب سے پہلے ہماری امداد کے وہ مستحق ہوتے ہیں۔

''میں جس مکاں میں رہتا ہوں اس کو گھر کر دے'' عالیہ حمید، سچ ہے کہ جاب کرنے والی خواتین تھکی ہوئی گھر آتی ہیں تو گھر کے کام کاج اور بچوں کے معاملات متاثر ہوتے ہیں۔لیکن سمجھدار مائیں سارے کاموں میں ایک توازن قائم کر لیتی ہیں۔

'' کاہے من کو روگ لگائے'' نصرت یوسف، یہ کہانی پڑھ کے احساس ہوتا ہے کہ آزادی کتنی بڑی نعمت ہے۔ ہندوستان میں کروڑوں مسلمان آباد ہیں لیکن وہ ان آزادیوں اور انسانی حقوق سے محروم ہیں جو ہم پاکستانی مسلمانوں کو حاصل ہیں۔ پاکستان سے شادی ہو کر انڈیا جانے والی ایک لڑکی کی یہ داستان جو ہمیں بہت کچھ سوچنے پر مجبور کرتی ہے۔

''چھوٹے چچا'' عابدہ فرحین، سید منور حسن (مرحوم) کی شخصیت کے بارے میں ایک مختصر مگر دلچسپ مضمون سید صاحب نے اپنی زندگی تعمیری سرگرمیوں کے لیے وقف کر رکھی تھی اور رشتہ داریاں بھی خوب نبھاتے تھے۔

''وہ مبارک سفر'' رفعت حمید خاں کا محبت وعقیدت کے جذبات میں ڈوب کر لکھا گیا مضمون، حرمین شریفین کے مبارک سفر کی خوبصورت داستان ہے۔اللہ سب کو یہ سفرِ سعادت نصیب فرمائے (آمین)۔

''سعودی عرب میں رہنے کا تجربہ'' ڈاکٹر فائقہ اویس، سعودی عرب اور سعودی باشندوں کے بارے میں ایک دلچسپ معلوماتی مضمون ہے۔ڈاکٹر صاحبہ نے وہاں کے لوگوں کی زندگی کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد اپنے تجربات بیان کیے ہیں۔

''قصہ ایک دعوت کا'' طیبہ یاسمین کا ایک دلچسپ دعوت کا احوال جو کھائی ہی نہ جا سکی، تلاش میں ہی سارا وقت گزر گیا، دلچسپ مزاح سے بھرپور مضمون۔

''کرو مہربانی تم اہل زمیں پر'' ڈاکٹر ثمین ذکا، نہایت متاثر کرنے والی آپ بیتی ہے عزم وہمت اور حوصلہ کی عظیم داستان۔ڈاکٹر صاحبہ کے خاندان نے یورپ میں رہ کر بھی اسلام کے ساتھ اپنا مضبوط رشتہ قائم رکھا۔

''آج کل کے ٹی وی ڈرامے'' مسز لہنا فراز، انتہائی درد دل کے ساتھ لکھا گیا ایک فکر انگیز مضمون ہے۔ یہ تشویش بجا ہے کہ آج کل پیش کیے جانے والے ٹی وی ڈراموں میں ہماری مذہبی اور معاشرتی روایات کو روندا جا رہا ہے۔

گوشۂ تسنیم'' دنیا بدل جائے گی'' ڈاکٹر بشریٰ تسنیم، ڈاکٹر صاحبہ نے بہترین مشورے دیے ہیں، خاص طور پر آپ کے یہ جملے'' ہمارے اندر کیا تبدیلی آئی ہے؟.....کیا دنیا کی محبت رخصت ہو گئی ہے؟ کیا ہم نے انا کا بت پاش پاش کر دیا ہے؟ کیا رشوت خور تائب ہو گئے ہیں؟ کیا سود ختم ہو گیا ہے؟ کیا خوراک میں ملاوٹ کرنے والے تائب ہو گئے ہیں؟ دوائیں خالص ملنے کا یقین ہو گیا ہے؟ چھابڑی والے اور حکومت کے ادارے کیا سارے ایمان دار ہو گئے ہیں؟ بچوں کی معصومیت محفوظ ہو گئی ہے؟ کیا ہم نے حیا کا چلن عام کر دیا ہے؟'' کاش ہم کچھ سبق سیکھیں!

آخر میں'' چمن بتول'' کے جملہ اسٹاف و قارئین کے لیے نیک خواہشات کے ساتھ اللہ تعالیٰ سب کو اپنے حفظ وامان میں رکھے (آمین)۔

☆.....☆.....☆

شہلا کرن، طاہرہ طلعت۔ کراچی

ماہنامہ اپریل مئی کا مشترکہ بتول اداریہ اہم موضوعات پر ہے۔ مدیرہ صاحبہ کے چند خوبصورت جملے یہاں درج کرنا چاہتی ہوں:

''کرۂ ارض انسانی بداعمالیوں کے باعث گرفتارِ بلا ہے انسان خود کو خانوں میں بانٹتے رہ گئے۔ مذہب کے، علاقے کے، رنگ و نسل کے، غربت اور امارت کے، طاقتور اور کمزور کے، مگر اوپر والے نے ایسا عذاب لکھا جس نے تفریق کے سارے خانے مسمار کر دیئے''۔

ڈاکٹر میمونہ حمزہ کا مضمون ''رسول اللہ کی زندگی میں خواتین کا کردار'' بہت معلومات افزا تھا جس میں عہد نبوی کی بہت سی خواتین کا ذکر کیا گیا ہے سلمیٰ وہاب کا مضمون ''اپنی اولاد کو آگ سے بچایئے'' بے حد اہم موضوع پر ہے بے شک ماں باپ بننے کے بعد میاں بیوی پر بہت سی ذمہ داریاں عائد ہو جاتی ہیں۔ ہمارے دین نے یہ شعور دیا ہے کہ اپنی اولاد کو دوزخ کی آگ سے بچانا والدین کا بہت بڑا فرض ہے جس کے بارے میں ان سے سخت پرستش بھی ہوگی۔ آج کل بچے ماحول اور میڈیا سے اچھا برا سب کچھ سیکھ رہے ہیں کیونکہ والدین کو خود ہی شعور نہیں ہوتا کہ کیا اچھا ہے اور کیا برا اس سلسلے میں والدین کی بھی تربیت ہونی چاہیے۔ باقی مضامین زیادہ تر رمضان کے مہینے کی مناسبت سے تھے اور سبھی اچھے تھے۔ لیکن خاص طور پر مضمون ''سرکش انسانیت کو قدرت کی تنبیہہ'' بہت متاثر کن تھا جو کورونا وائرس سے متعلق تھا (ڈاکٹر خواجہ مسعود) دنیا میں کتنے ہی جابر آ کر گزر گئے جیسے نمرود، فرعون، شداد، قارون یہاں تک کہ انہوں نے خدائی کا دعویٰ کیا لیکن جب موت آئی تو انہیں بھی نہایت بے بسی سے دنیا سے جانا پڑا آج کوئی جانتا بھی نہیں کہ ان کے مدفن کہاں ہیں اور اگر کہیں ہیں بھی تو کھنڈروں میں تبدیل ہو چکے ہیں۔

آج کورونا وائرس بھی یہی پیغام دے رہا ہے۔ ہمیں اس فانی زندگی کے دھوکے میں آنے کے بجائے اللہ کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا چاہیے کیونکہ اسی سے حیات ابدی ممکن ہے۔

''دمِ وداع'' ایک بہت خوبصورت نظم ہے۔ نیّر کاشف کا افسانہ ''قرنطینہ'' مختصر مگر پر اثر افسانہ ہے زندگی کا اہم پہلو دکھایا گیا ہے کہ جب سب لوگ گھر میں مل کر بیٹھتے ہیں تو ایک دوسرے سے رابطہ ہوتا ہے، ورنہ ایک گھر میں رہتے ہوئے بھی زندگی کی مصروفیت میں کسی کو بات کرنے کا وقت بھی نہیں ملتا۔

''کبھی بھول نہ پائیں گے'' سچا قصہ متاثر کن تھا یقین نہیں آتا کہ اس دور میں بھی کوئی ایسی نیکی کر سکتا ہے۔ آج کل تو پائی پائی پر سب مرتے ہیں اور ہاتھ آیا پیسہ کوئی واپس نہیں کرتا۔ اس لحاظ سے یہ بڑا منفرد واقعہ تھا اور اسی سے یہ پتہ چلتا ہے کہ نیک لوگ ابھی دنیا سے ختم نہیں ہوئے۔ اگرچہ بہت نایاب ہیں ''خوف کی سیڑھی پر پہلا قدم'' المناک کہانی تھی موجودہ آفتوں سے اللہ سب کو پناہ میں رکھے۔ ''پانچویں بیٹی'' صبیحہ نبوت کی تحریر تھی جس میں ایک بہت اچھا پیغام دیا گیا اور جس کی ہمارے معاشرے کو بہت ضرورت ہے۔ ''چہل قدمی'' ام ایمان کا افسانہ بھی اچھا لگا۔ اس میں ایک جملہ بہت پسند آیا کہ اکثر عظیم خیالات چہل قدمی کرتے ہوئے مفکروں کے ذہنوں میں آئے تھے ہم مفکر تو نہیں مگر ایسا اکثر ہمارے ساتھ بھی ہوتا رہتا ہے۔

''ہوشیار'' فرحی نعیم کی تحریر جس میں انہوں نے تصویر کا ایک دوسرا رخ دکھانے کی کوشش کی کہ لڑکی کو شادی سے پہلے اس کے رشتے دار سسرال والوں کے بارے میں خوب ڈراتے ہیں عام طور پر یہی تذکرہ ہوتا رہتا ہے کہ بہوؤں سے سسرال میں ناروا سلوک کیا جاتا ہے لیکن یہ افسانہ اس پہلو کو سامنے لایا ہے کہ بہوئیں جب منفی سوچ لے کر سسرال آتی ہیں تو اس سے بھی خرابیوں کی ابتدا ہوتی ہے۔ یہ اہم بات ہے۔

''فصلِ گل کی نمو'' اس لیے پسند آئی کہ یہ روایتی عشقیہ موضوعات سے ہٹ کر ایک جذبے کی کہانی تھی۔ شہادت بہت بڑا رتبہ ہے اور خدا کے منتخب بندوں کو ملتا ہے جو مر کر بھی زندہ رہتے ہیں لیکن اس کا صحیح مفہوم اور مقصد سمجھنے کی ضرورت ہے۔

''نشیب و فراز'' ایک مختلف کہانی تھی جس میں زندگی کا ایک منفی پہلو دکھایا گیا کہ بہت سی باتیں راز رکھی جاتی ہیں اور کچھ راز جان کر تکلیف بھی ہوتی ہے۔ لیکن یہ سب تقدیر کے کھیل ہیں اور انسان کو سمجھوتا کرنا پڑتا ہے۔

ڈاکٹر مقبول احمد شاہد کا مضمون ''روزہ اور انسانی صحت'' بہت معلوماتی تھا۔ کہ بسیار خوری بہت سے امراض کی جڑ ہے، کھانا ہمیشہ اعتدال کے ساتھ کھانا چاہیے۔ ''ہمیں کون سے حقوق چاہئیں؟'' اور ''اور اب نور'' دونوں کالم بہت اہم موضوعات پر ہیں۔ کم عمر بچیوں کے ساتھ ہونے والی زیادتیاں سب کے لیے لمحۂ فکریہ ہیں لیکن اس کے لیے قانون سخت ہونے کے علاوہ لوگوں کا باشعور ہونا بھی ضروری ہے۔ میڈیا کو اپنا منفی کردار ترک کرنا ہوگا اور سستے جنسی موضوعات سے نکل کر اعلیٰ اقدار دکھانی ہوں گی ورنہ دنیا بھی تباہ ہوگی اور آخرت بھی۔

مجموعی طور پر رسالہ قابلِ تعریف ہے اور بلاشبہ لوگوں کی اخلاقی و روحانی تربیت میں ایک اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ گرانقدر معلومات بہم پہنچاتا ہے۔ دعا ہے کہ یہ ہمیشہ اسی طرح چمکتا دمکتا اور روشنی پھیلاتا رہے۔

☆.....☆.....☆

خورشید بیگم۔ گوجرہ

اگست کا بتول ۵ تاریخ کو حیرت اور خوشی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ وصول کیا۔ اللہ کا شکر ہے کہ طبیعت ٹھیک رہی اور تین دن میں مطالعہ مکمل ہوگیا۔ تقریباً تین سال بعد تبصرہ لکھ رہی ہوں۔ میری بہنیں دعا کریں کہ صحت اتنا ساتھ دے کہ یہ کام جاری رکھ سکوں۔ اداریے سے لے کر گوشۂ تسنیم تک پورا شمارہ پڑھنے اور قابلِ عمل اصول اخذ کرنے سے تعلق رکھتا ہے۔

اداریے میں صائمہ اسماء صاحبہ نے ہمیشہ کی طرح مہینے بھر کی اہم خبریں گوش گزار کرنے کے ساتھ ساتھ انتہائی دلگداز انداز میں حالاتِ حاضرہ پر تبصرہ کیا ہے۔ ڈاکٹر میمونہ حمزہ نے اللہ پر توکل کے معنی اور مفہوم سمجھایا ہے۔ خاص مضمون پاکستان کے حوالے سے ہے۔ کمال باخبری ہے مولانا کی ملکی حالات سے کہ جیل میں بیٹھے عدالت کی کارروائی سے آگاہ ہیں اور پھر جیل سے ہی بیان بھجوادیا ہے۔ مقامِ افسوس ہے کہ قیام پاکستان سے ہی نظریۂ پاکستان کے مخالفین وطن عزیز میں موجود ہیں جو بظاہر مسلمان بھی ہیں اور پاکستانی بھی۔

''ہجرت کی راہیں'' اللہ تعالیٰ کا لاکھ شکر ہے کہ آپا ثریا اسماء کا سفر ہجرت بخیریت تمام ہوا اور آج ہم ان کے طفیل ماہنامہ بتول سے مستفید ہو رہے ہیں۔ ''ایک آنکھ میں رت ہے ساون کی'' کے ساتھ منفرد عنوان ہے اور کیسی پرمغز تحریر ہے قانتہ رابعہ صاحبہ کی۔ کنیز فاطمہ کی کہانی کے ذریعے شکرگزاری کی طرف ہماری توجہ مبذول کروائی ہے۔ کاش ہم اللہ کے شکرگزار بندے بن جائیں۔ عشرت زاہد صاحبہ کی مختصر سی کہانی ''انتظام'' میں کئی سبق موجود ہیں۔ واقعی انسان اگر اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرتے ہوئے ایمان داری اور محنت سے کام کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے کام اس طرح کر دیتا ہے کہ اسے خبر بھی نہیں ہوتی۔ اس کے انتظام پر تو حیرت ہوتی ہے کہ میں ایک بھڑ کو اس لیے مارتی ہوں کہ وہ کسی کو کاٹ نہ لے لیکن دوسرے ہی لمحہ وہ زہریلا کیڑا چیونٹیوں کی خوراک بن جاتا ہے۔ ادھر آپ حصولِ ثواب کی غرض سے صدقہ و خیرات دیتے ہیں اُدھر کسی ضرورت مند کی ضرورت پوری ہوجاتی ہے۔

''میں جس مکان میں رہتا ہوں اُس کو گھر کر دے'' کہانی کی صورت میں عالیہ حمید صاحبہ نے سنت نبوی سکھا دی ہے۔ ذرا سی توجہ سے ہر گھر میں ایسی چیزیں مل جاتی ہیں جو مرمت کے بعد قابل استعمال ہوسکتی ہیں یا کسی اور کے کام آسکتی ہیں۔

''کاہے من کو روگ لگائے'' نصرت یوسف صاحبہ نے دورِ حاضر کے مسلمان خصوصاً پاکستانی مسلمانوں کی ایک بہت بڑی خامی کی نشاندہی کی ہے جو اپنی بیٹیوں کا رشتہ طے کرتے ہوئے صرف ان کی عارضی زندگی کے آرام و آسائش کی فکر کرتے ہیں۔ خواہ اس کوشش میں دیارِ غیر میں ان کی مذہبی آزادی سلب ہوجائے اور وہ گھائل روح کے ساتھ گھٹ گھٹ کر زندگی گزارنے پر مجبور ہوجائیں۔

رفعت حمید صاحبہ کو سفرِ سعادت مبارک ہو۔ دیدارِ حرمین کے لیے ان کا جذبہ و شوق قابل تحسین ہے۔ ڈاکٹر فائقہ اویس کا شکریہ کہ ان کی تحریر کی بدولت سعودی معاشرت اور تہذیب سے آگاہی ممکن ہوئی۔ ''کرو مہربانی تم اہل زمین پر'' ڈاکٹر ثمین ذکا صاحبہ نے اپنی زندگی کا ایک پرمشقت باب کھولا ہے۔ دیارِ غیر میں ملازمت، علم دین کا حصول اور پھر

خاوند کی وفات۔ ان کی زندگی میں اس مسلم خاتون کے لیے نمونۂ عمل موجود ہے جو گھریلو مصروفیات کے ساتھ دینی علم کا حصول اور خدمت خلق کرنا چاہتی ہے۔

مسز لہنا سرفراز نے دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا ہے۔ ان کی تحریر کا ہر لفظ یوں لگتا ہے گویا یہ بھی میرے دل میں تھا۔ یہ بالکل درست ہے کہ نئی نسل جو آج کل اپنے دین، اخلاق اور بڑوں کی عزت و تکریم سے دور ہوتی جا رہی ہے تو اس کا ذمہ دار ہمارا الیکٹرانک میڈیا بھی ہے۔ ''دنیا بدل جائے گی'' ہمیشہ کی طرح ڈاکٹر بشریٰ تسنیم صاحبہ کی دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی مختصر تحریر جو خاموشی سے دل میں اتر گئی مگر

پھول کی پتی سے کٹ جاتا ہے ہیرے کا جگر
مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر

میری پیاری بہن عرض ہے کہ امت مسلمہ نے اپنا نصاب قرآن پاک کو نہیں مانا اور اپنا استاد محبوبؐ رب العالمین کو نہیں جانا تو حالات میں تبدیلی کیسے آئے گی؟

☆☆☆

روبینہ اعجاز۔ کراچی

اگست کا بتول ہمیشہ کی طرح خوبصورت تحاریر سے مزین ہے۔ اس دفعہ کا سرورق موسم کی مناسبت سے بہت خوب ہے جبکہ پورے ملک میں بارشوں کا زور ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ رحمتوں کی بارشیں برسائے۔

اداریہ میں صائمہ اسما نے اردو ذریعہ تعلیم ہونے کی افادیت پر زور دیا ہے۔ کاش کہ دوسرے ملکوں کی طرح ہم بھی اپنی زبان کو فوقیت دیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری آنے والی نسلیں اسلامی کتب اور تاریخ پڑھنے سے بھی قاصر ہوں۔

قانتہ رابعہ کا افسانہ ''اک آنکھ میں رت ہے ساون کی'' پڑھ کر احساس ہوا کہ شکر گزار بننے کیلئے شکر گزار دل ہونا چاہیے نہ کہ دنیاوی آسائشوں کی بہتات۔ اگر شکر گزاری کی عادت اپنا لی جائے تو زندگی کی چھوٹی چھوٹی آسانیاں بھی بڑی نعمت لگیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اتنا اچھا پیغام دینے پر جزائے خیر دے۔ عشرت زاہد صاحبہ کے افسانے میں بھی مستحق لوگوں کی مدد کرنے کا جو طریقہ بتایا ہے کہ ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ کی خبر نہ ہو بہت خوب ہے۔ گوشۂ تسنیم پڑھ کر دل سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ اگر ان حالات میں بھی ہم لوگ نہ بدلے تو کب بدلیں گے۔ ہم سب کو اپنا محاسبہ کرنے اور مثبت تبدیلی لانے کی ضرورت ہے۔

باقی تمام تحریریں بھی اپنی اپنی جگہ بہترین ہیں۔ کچھ ماہ سے سیر و سیاحت کے حوالے سے تحاریر نے رسالے کو مزید جگمگا دیا ہے۔ اللہ کرے یہ رسالہ یونہی جگمگاتا رہے اور اپنے قارئین کے ذہنوں کو منور کرتا رہے، آمین۔

☆.....☆.....☆

منتخب کالم

عرفان صدیقی

بلریا گنج سے جنت البقیع تک

اعظم گڑھ (بھارت) سے مدینۃ النبی ﷺ تک پھیلی ایک مُشکبو کہانی کا آخری باب بھی تمام ہوُا۔ کٹر ہندو خاندان کا بیٹا ''بانکے رام'' اپنے عہد کا سب سے بڑا محدث بن کر ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن اعظمی کے نام سے وہاں چلا گیا جہاں ہم سب کو جانا ہے۔ ''بلریا گنج'' کی مٹی، جاودانی رفعتوں سے ہم کنار ہوکر جنت البقیع کی کہکشاں میں جذب ہوگئی۔

پندرہ برس پہلے لکھا گیا اپنا کالم ''گنگا سے زمزم تک'' میرے سامنے رکھا ہے۔ اپریل 2005 میں اعظمی صاحب سے ہونے والی ملاقات کی ساری جزئیات میری نگاہوں میں ہیں۔ ہزاروں کتابوں سے آراستہ مختصر سا کمرہ۔ علم کی ایک چھوٹی سی بستی۔ اس بستی کے بیچوں بیچ بیٹھا ایک فرد جس نے زندوں کی طرح اپنی دنیا آپ پیدا کی۔ سید مودودیؒ کی کتاب ''دینِ حق'' نے بلریا گنج کے نوجوان اور شبلی کالج کے نوعمر طالب علم ''بانکے رام'' کے دل میں ایمان ویقین کا جو بیج بویا وہ اللہ کی بارانِ رحمت تلے پھیلتا، پھولتا اور پھلتا چلا گیا۔ جامعۃ الاسلامیہ مدینہ منورہ، جامعہ اُم القریٰ مکہ معظّمہ اور جامعۃ الازہر قاہرہ سے کسب فیض کرنے والے ضیاء الرحمٰن نے بارگاہ رسالتؐ کے فیصلوں کے موضوع پر پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھا۔ برسوں مدینہ یونیورسٹی میں کلیہ حدیث کا پروفیسر اور ڈین رہا۔ رابطہ عالم اسلامی کے اہم عہدوں پر فائز ہوُا۔ جلیل مقاصد اور قلیل امیدیں رکھنے والا خوش بخت شخص۔ نبیؐ کے شہر میں بیٹھا، اس دنیا کی کھیتی میں ایک اور دنیا کے لالہ وگل کاشت کرتا رہا۔

تب اعظمی صاحب مستند احادیث مبارکہ کی تدوین کے عظیم الشان منصوبے پر کام کررہے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ ہر اعتبار سے مستند اور ثقہ ہونے کے کڑے معیار پر پورا اترنے والی کم وبیش پندرہ ہزار احادیث، ایک سو سے زائد کتابوں میں بکھری پڑی ہیں۔ چودہ سو سال گزر جانے کے باوجود انہیں یکجا نہیں کیا جا سکا۔ میری ملاقات ہوئی تو انہیں اس کار عظیم کا بیڑا اٹھائے تین سال ہو چکے تھے۔ رخصت ہوتے وقت انہوں نے اپنا ہاتھ میرے کندھے پہ رکھا اور بولے ''صدیقی صاحب! میرے لیے دعا کریں، اللہ تعالیٰ صحت وتندرستی کے ساتھ مجھے بارہ برس اور عنایت فرمادے۔ اپنا کام مکمل کرنے کے لیے مجھے اتنا وقت چاہیئے''۔ وہ مدینہ منورہ میں میرے قیام کا آخری دن تھا۔ مغرب کی نماز کے بعد میں روضہ رسولؐ پر درود وسلام کی سوغات پیش کررہا تھا کہ مجھے اپنے شانے پر کسی کے ہاتھ کا لمس محسوس ہوُا۔ پلٹ کر دیکھا کوئی نہ تھا۔ مجھے اعظمی صاحب کی التجا یاد آ گئی۔ میں نے دعا کی ''اے اللہ! اپنے نیک بندے ضیاء الرحمٰن کو کم ازکم بارہ برس کی مزید زندگی عطا فرمادے کہ وہ تیرے نبیؐ کی احادیث مبارکہ کی جمع بندی کرسکے''۔

میں کیا اور میری دعا کیا؟ لیکن اعظمی صاحب اس کے بعد کوئی پندرہ برس زندہ رہے۔ اللہ سے کیے گئے وعدے کے مطابق انہوں نے بارہ برس میں اپنا کام مکمل کرلیا۔ ریاضت کے طویل شب وروز پر محیط عشق وجنوں کا یہ سرمایہ سولہ ہزار پانچ سو چھیالیس (16546) مستند احادیث کی دستاویز بندی کی شکل میں ''الجامع الکامل'' کے نام سے مرتب ہوُا۔ انیس جلدوں اور پندرہ ہزار صفحات پر مشتمل، بلاشبہ یہ اسلامی تاریخ کا سب سے بڑا مجموعہ احادیث ہے۔ درجنوں دیگر تصانیف میں ہندی زبان میں قرآن کریم کا انسائیکلوپیڈیا بھی شامل ہے۔ ہندی ہی میں لکھی گئی ان کی کتاب ''قرآن کی شیتل چھایا'' (قرآن کی ٹھنڈی چھاؤں) بہت مقبول ہوئی جس کے متعدد ایڈیشن اور تراجم شائع ہو چکے ہیں۔

سچے بندۂ مومن کی طرح اعظمی صاحب نے غنی اور بے نیاز دل پایا تھا۔ کوئی باور کرسکتا ہے کہ پندرہ برس کی عرق ریزی سے تیار ہونے

والا عظیم علمی اثاثہ، وہ کسی معاوضے یا رائلٹی کے بغیر کسی بھی ایسے فرد یا ادارے کو دینے پر آمادہ تھے جو اس کی طباعت اور اشاعت کا اہتمام کر سکے۔ ترجمان القرآن کے مدیر برادر سلیم منصور خالد نے ایک کوشش کی۔ حسن صہیب مراد بخوشی آمادہ ہو گئے لیکن ایک حادثے میں حسن صاحب کے انتقال کے باعث بات آگے نہ بڑھ سکی۔ چھ سات ماہ قبل مجھے اعظمی صاحب کا ایک خط اور دو کتابیں موصول ہوئیں۔ سلام و دعا کے بعد لکھا ''آپ اور دیگر حضرات سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ میرے متعلق جتنا کچھ لکھا جا چکا ہے وہ بہت کافی ہے۔ اب مزید کچھ نہ لکھیں کیوں کہ اس سے نفس میں عجب (غرور، تکبر) داخل ہو جاتا ہے جو اجرِ آخرت سے محروم کر دیتا ہے''۔ وہ بڑے آدمی تھے۔ میرے لیے تو یہ اعزاز بھی حاصلِ زندگی ہے کہ اِن دنوں وائرل ہو جانے والی تصویر میں، میری کتاب ''مکہ مدینہ'' ان کے مبارک ہاتھوں میں ہے۔

لگ بھگ ڈیڑھ ہزار سال پہلے، اصفہان کے آتش پرست ''یوذخشان'' کے ہاں پیدا ہونے والا ''مابہ'' نامی بچہ بھی شک اور گمان کے دھندلکوں میں بھٹکتا مدینہ منورہ پہنچا اور ابوعبداللہ سلمان فارسیؓ کہلایا۔ اس جلیل القدر صحابی کے مشورے پر دفاعِ مدینہ کے لیے خندق کھودی جا رہی تھی۔ سلمانؓ کا جوش و جذبہ دیکھ کر مہاجرین نے کہا ''سلمانؓ تو ہم میں سے ہے'' انصار بولے ''سلمانؓ تو ہمارا ہے''۔ حضورؐ نے سنا تو فرمایا ''سلمانؓ تو میرے گھر والوں میں سے ہے''۔

30/جولائی یوم الحج نماز مغرب کے بعد مسجد نبوی میں اعظمی صاحب کی نماز جنازہ ادا کی گئی۔ وہی مسجد نبوی جہاں وہ برسوں سے احادیث کا درس دے رہے تھے۔ مجھے نہیں معلوم ان کی قبر جنت البقیع کے کس منطقے میں بنی جہاں صحابہ کرامؓ، صحابیاتؓ، اہلِ بیتؓ اور حضورؐ کے جگر گوشوں سمیت دس ہزار سے زائد پاک ہستیاں آسودۂ خاک ہیں۔ جانے اعظمی صاحب کی قبر کو کس کی ہمسائیگی کا شرف ملا۔ جانے جنت البقیع میں سپردِ خاک ہونے والے ضیاء الرحمٰن کی روح کس دروازے سے جنت الفردوس میں داخل ہوئی ہوگی؟ جانے اس کا استقبال کس طرح کیا گیا ہوگا لیکن موسم بہار کی ''شیتل چھایا'' جیسا یہ خیال میرے دل و دماغ میں ہلکورے لیتا رہتا ہے۔ کیا خبر نبی کریمؐ نے آغوشِ رحمت وا کرتے ہوئے فرمایا ہو ''ضیاء الرحمٰن تو میرا ہے''۔

(روزنامہ جنگ، 4 اگست 2020)

☆☆☆

گوشۂ تسنیم

ڈاکٹر بشریٰ تسنیم

شریک زندگی کا انتخاب

دنیا میں انسان کے لیے سب سے مشکل انتخاب شریک حیات کا انتخاب ہے۔ ہزار جتن کے بعد جو شریک زندگی ملتا ہے یا ملتی ہے اس کے اچھے یا برے اوصاف وقت کے ساتھ ساتھ ظاہر ہوتے ہیں۔ عمر بڑھنے کے ساتھ ہر دو کی ذہنی بالیدگی اپنا رخ بدل سکتی ہے۔ مستقبل کے حالات وواقعات کے اتار چڑھاؤ کا علم کسی کو نہیں ہوتا اس لیے زندگی کے نشیب و فراز میں بر وقت صحیح قدم اٹھانا اور دائمی ساتھ نبھانا، وفا کی خالص نیت رکھنے والوں کا ہی حوصلہ ہوسکتا ہے۔

خلوص نیت کے ساتھ عظیم مقصد کو سامنے رکھ کر تعلیمات نبویؐ کے مطابق شریک حیات کی تلاش ہوگی تو زندگی میں بے شمار معاشی اور معاشرتی مسائل کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ لڑکی کے لیے شوہر کی تلاش سرپرستوں کی ذمہ داری ہے۔ لڑکی کو رشتے کے حسن وقبح سے کما حقہ واقف رکھنا فرض ہے اور لڑکی کی رضامندی نکاح کی شرائط میں شامل ہے۔ مرد اپنا رشتہ خود کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ وہ راعی ہے اس کی ذمہ داری زیادہ ہے کہ وہ کیسی شریک حیات لاکر اپنے گلستان کی آبیاری کرنا چاہتا ہے۔ مرد صرف اپنی بیوی کے لیے قوام نہیں ہے وہ اپنے گھر کی سب خواتین کا ذمہ دار ہے۔ آج اگر لڑکے اپنی بیوی کا معیار مسلمان بیوی بنا لیں تو لڑکیاں اسی معیار پہ خود کو ڈھال لیں گی۔ مائیں اور بہنیں بہت جلد اپنے بیٹے، بھائی کے لیے چاندسی دلہن کا خواب دیکھنے لگتی ہیں۔ بھائی اور بیٹے کی پسند کا حوالہ سامنے رکھ کر سر سے پاؤں تک خوبصورتی کا خاص پیمانہ لے کر لڑکیوں کو جانچنے پرکھنے لگتی ہیں تو اسی وقت صالح اور عقلمند بیٹے کو گھر کی خواتین پہ واضح کر دینا ہوگا کہ وہ اپنی شریک حیات کے بارے میں کیا تصور رکھتا ہے۔ اس کی کیا ترجیحات ہیں۔ اپنے نفس امارہ کی ترویج کرنی ہے یا اسوہ رسول ﷺ پہ چلتے ہوئے ''نفس مطمئنہ'' بننے کا راستہ اختیار کرنا ہے۔ ایک لبرل قسم کے ضدی ہٹ دھرم لڑکے کو اگر دینی فہم و شعور والی لڑکی کے ساتھ اس امید پہ باندھ دیں گے کہ وہ لڑکے کی تربیت کرلے گی تو یہ خام خیالی ہے۔ لڑکے کی تربیت اگر والدین ربع صدی تک نہیں کر سکے تو اس لڑکی سے کیسے توقعات وابستہ کی جاسکتی ہیں جو خود اس کی رعیت بن کر آرہی ہے (الا ماشاءاللہ) اور پھر بچوں کی تربیت میں دو متضاد ذہن متصادم ماحول پیدا کرتے ہیں۔ ذہنی ''کفو'' کا خیال رکھنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ خاندان برادری کا بلکہ یہ اس سے بھی زیادہ ضروری ہے۔

دوسری بڑی قباحت رشتے تلاش کرنے کی آڑ میں لڑکیوں اور ان کے والدین کی عزت نفس کو ٹھیس پہنچانا ہے۔ یہ گناہ کا کام ہے۔ اور عموماً لڑکے سے زیادہ بہنوں اور والدہ کے ارمان لڑکی کے انتخاب میں پیچیدہ سوچ رکھتے ہیں۔ صالح لڑکے کو چاہیے اپنی والدہ اور بہنوں کو اس معاملے میں شائستگی کی راہ سجھائے اور مسنون طرز عمل پہ استقامت دکھائے۔

تقویٰ، حسب نسب، حسن اور مال و دولت کے مسنون ترجیحی پیمانے کو الٹے رخ پہ قائم کر لینا سراسر دنیاوی نقطہ نظر ہے اور غیر اسلامی تہذیب ہے۔ اس کلچر کو فروغ دینے کی بجائے ختم کرنے کی کوشش کرنی ہوگی۔ جہیز اور بارات والا کلچر بھی سراسر غیر اسلامی ہے۔ نکاح اور شادی کی تقریب میں غیر ضروری غیر اسلامی رسموں کی وجہ سے اخراجات وبال جان بن کر رہ گئے ہیں اور ہم سب اجتماعی طور پہ برکت ورحمت سے محروم ہوتے جارہے ہیں۔ شادی کی ہندوانہ رسمیں شیطانی عمل ہیں اور اسراف کی راہ شیطانی عمل ہے۔ ایسا کرنے والا شیطان کا بھائی ہے۔ اونچے درجے کے سرکاری وغیر سرکاری لوگوں کو بلانا، فخر وغرور میں مبتلا ہونا نکاح کے مقصد کو فوت کرنا ہے۔ ولیمہ کی دعوت مسنون ہے وہ بھی اپنی

استطاعت کے مطابق ہونی چاہیے اللہ تعالیٰ کے آخری نبی سید الانبیاء حضورؐ کی حیات طیبہ میں اور ان کی شہر میں موجودگی کے باوجود لوگ ان کو بلائے بغیر نکاح کر لیتے تھے۔ نہ امام االانبیاء ناراض ہوتے اور نہ ہی نکاح کرنے والا شرمندہ ہوتا۔ نہ کسی کی معاشرے میں ناک کٹتی تھی۔

نکاح کا دن ایک ایسا دن ہے جس کو عام دنوں سے زیادہ اتنی سی اہمیت کافی ہے جیسے کہ جمعہ کا دن اور عیدین کا دن عام دنوں سے افضل ہے۔ جس قوم نے اپنی عزت و آبرو کو بحال کرنا ہو اسے تو دن میں ایک کھانے پہ اکتفا کر لینے پہ اتفاق کر لینا چاہئے کجا کہ محض نام ونمود کی خاطر شادی کے کئی دن تک رزق اور دولت کا ضائع کرنا قومی شعار بن جائے۔ شریک برادری میں ناک اونچی رکھنے کے چکر میں جو کچھ ہوتا ہے اس کے بعد نہ جانے کہاں کہاں ناک رگڑنی پڑتی ہے۔ اس کلچر کو ختم کرنے کے لیے پہل کرنے کا حوصلہ کون کرے؟ سب نے کھائے ہوئے کھانے کا بدلہ چکانا ہے، دیے ہوئے تحفوں کی واپس وصولی کرنی ہے۔ اور سب ملامت سے ڈرتے ہیں۔ ''ولا لومۃ لائم'' کی ربانی پکار رب کی طرف بلانے والے بھی بھول جاتے ہیں۔ اور یہ بھی حقیقت نظروں سے اوجھل ہوجاتی ہے کہ شریکے راضی پھر بھی نہ ہوں گے۔ اور رسول اللہؐ کے فرمان کو شیطان نسیاً منسیا کر دیتا ہے کہ ''سب سے بابرکت شادی وہ ہے جس میں خرچ کم سے کم ہو''۔

اگر معاشرے میں امن وسکون اور برکت کی بہار لانی ہے تو اس کے لیے بنیاد سے اصلاح کرنی ہوگی۔ اور بنیادی اکائی میاں بیوی کا رشتہ ہے۔ عملی زندگی کی ابتدا کرنے والے نئے جوڑے اپنے مقاصد متعین کریں، اور اپنی اصلاح کا مصمم ارادہ اور اپنے سے بڑے رشتوں کی اصلاح میں اپنا کردار ادا کریں۔ اب جدید ٹیکنالوجی کی وسعت پذیری نے سیکھنے سکھانے کا وہ ماحول بنا دیا کہ اصلاح معاشرہ کے لیے جوانوں کو پیروں کا استاد ہونا پڑے گا۔ کسی بھی قوم کی نوجوان نسل جب اپنی اصلاح آپ کا پرچم اٹھا لیتی ہے تو ہی انقلاب آتے ہیں۔

ہمارے سامنے اسوہ رسول اکرمؐ موجود ہے جن کی زندگی جہالت، فرسودہ رسم و رواج ،انا کے بت پاش پاش کرنے میں گزری۔ اس معاشرے کے جن جوانوں نے جب حق کو حق تسلیم کر لیا اور اپنی جہالت کو چھوڑنے کا ارادہ کر لیا تو پھر اس پہ جم گئے۔ پھر آباؤ اجداد کے سارے فلسفے بھول گئے۔ کالے اور گورے کے امتیاز ختم ہو گئے۔ انا وفخر وغرور کے فلک بوس پہاڑ ریت بن کر ہوا میں اڑ گئے۔ خالص اللہ کے لیے جینے اور مرنے والوں نے اپنے عزیز از جان رشتوں کو مشروط کر لیا، اللہ کے ساتھی بن گئے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھی بننے والوں کو اپنا بنا لیا۔ رشتوں کی بنیاد نئی رکھ لی تا کہ اسلامی معاشرے کے درخت کی جڑیں کھوکھلی نہ ہوں۔ وہ درخت ہی ثمر دار ہوتا ہے جس کی جڑیں مضبوط ہوں۔

آج کا دور پھر سے امت مسلمہ کے نوجوانوں کو پکار رہا ہے۔ دنیا میں امن صرف اسلام کے ذریعے آسکتا ہے اور اسلام کوئی ایسا ضابطہ نہیں جو کسی خاص وقت یا حالات کے لیے ہی مخصوص ہو۔

یہ نغمہ فصل گل ولالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں لا الٰہ الا اللہ

نوجوانوں کو مخاطب کرنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ معاشرے کے بزرگ بری الذمہ ہو گئے ہیں۔ جوانوں کو اسوہ رسول پہ عمل کرنے کے لیے راہ ہموار کرنا، ان کی حوصلہ افزائی کرنا، بزرگی کا اپنی عمر اور مرتبے کا ناجائز رعب اور دھونس نہ ڈالنا، اور آباؤ اجداد کے غیر اسلامی رسم ورواج، مروجہ اصولوں کو چھوڑنے پہ سمجھوتہ کر لینا ان کی ہی ذمہ داری ہے۔ آیئے ہم سب اپنے اپنے مقام پہ اپنی ذمہ داریوں کی پہچان کریں اور مل جل کر ایک ایسے شجر معاشرت کی آبیاری کریں جس کی جڑیں مضبوط ہوں اور وہ سایہ دار ہونے کے ساتھ ثمر دار اور لازوال بھی ہو۔ کیا گزشتہ کچھ عرصے سے کرونا وبا نے سادگی سے نکاح اور رخصتی کا عمل کروا نہیں دیا؟ اب اگر مجبوراً یہ کام کرنے سے زندگی کا یہ مشکل مرحلہ آسان ہو گیا تھا اور نکاح میں بھی کوئی خلل نہیں پڑا تو اپنے اللہ کو راضی کرنے کی نیت سے یہ کام آئندہ بھی بحسن وخوبی انجام پذیر ہوسکتا ہے۔ ضرورت اپنے نفس کو سمجھانے کی ہے۔ پس کوئی ہے جو نصیحت پکڑے؟

☆☆☆